عالم اسلام کو نیا اسلامی سال اور عرس نوری مبارک ہو!

ماہنامہ

اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

مُحرّم ۱۴۳۵ھ

December 2013

مُدیرِ اعلیٰ

مولانا الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں

فہرست

۱	کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی	۱
۲	مفتی اعظم اور شدھی تحریک (اداریہ)	حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن خان قادری بریلوی	۳
۳	باب التفسیر	ابرارالحق رحمانی مدھوبنی	۷
۴	باب الحدیث	حضرت مولانا الحاج سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۸
۵	فتاویٰ منظر اسلام	حضرت مولانا الحاج محمد احسن رضا قادری	۹
۶	شاہ برکت اللہ مارہروی کی حیات مبارکہ کے چند گوشے	امین ملت حضرت سید شاہ امین میاں قادری مدظلہ	۱۵
۷	عاشورہ صبر و رضا کا بے مثال استعارہ	مرحوم سید اعجاز حسین رضوی	۱۸
۸	حافظ رحمت خاں کا مختصر تذکرہ	مولانا محمد صادق رضا ممبئی	۲۰
۹	مفتی اعظم راجستھان	ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی امروہوی	۲۳
۱۰	مسلم معاشرہ کی آپسی خانہ جنگی کا سدباب	مولانا محمد عمران رضا منظری	۳۰
۱۱	مسلک اعلیٰ حضرت کے ایک بے باک ترجمان	مولانا ابرارالحق رحمانی	۳۳
۱۲	امام احمد رضا قطب وقت بھی اور مظہر غوث اعظم بھی	مولانا کبد علی رضوی	۳۵
۱۳	سرکار مفتی اعظم ہند کی حمدیہ شاعری	مولانا طفیل احمد	۳۶
۱۴	حیات رسول میں پیار ہی پیار	الحاج قاری سید محمد معزالدین قادری	۴۴
۱۵	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور ان کا عشق رسول	محمد فرمان رضا برکاتی	۴۶
۱۶	تقدیر و تدبیر کی شرعی حیثیت	انتخاب عارف صدیقی	۴۸
۱۷	امام احمد رضا اور خانقاہوں کا تحفظ	مولوی محمد مزمل منظری	۵۰
۱۸	شفق اور صبح ایک تحقیقی جائزہ	مفتی رفیق الاسلام	۵۲
۱۹	دہشت گردانہ حملے۔ انکاؤنٹر انڈین مجاہدین حقیقت یا افسانہ	(مفتی) محمد سلیم بریلوی	۵۵
۲۰	تجلیات نعت رفیضان عقیدت (ادارہ)	شہیر رضوی رپھول محمد نعمت رضوی،	۵۷
۲۱	مراسلات	ادارہ	۵۸
۲۲	ہماری ڈاک	ادارہ	۶۰

مفتی اعظم اور شُدّھی تحریک

اداریہ ....از: حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن خان قادری

۲۲رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۸۹۲ء کی شب میں سرزمین مارہرہ مطہرہ پر مجدد اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے مبارک خواب میں آسمان پر زمین سے بڑا چاند دیکھتے ہیں۔جس کی نورانیت اور چاندنی سے زمین روشن و تاباں ہے ہر طرف اس چاند کی ضیاء پاشیاں پھیلی ہیں۔اوروہ چاند صاحب خواب کی طرف اتر رہا ہے۔جتنا نیچے آتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا حجم گھٹتا جارہا ہے۔گولائی کم ہوتی جارہی ہے۔آخر اتنا کم ہوگیا کہ اعلیٰ حضرت کی آغوشِ سعادت میں سما گیا۔آپ کا قلب نورانی خوشیوں سے اچھلنے لگا۔سارا وجود بحر شادمانی میں غوطہ زن ہوگیا۔مسرتوں کا عالم نہ پوچھو۔خوشی میں جھومنے لگے کہ آنکھ کھل گئی۔سجدۂ شکر ادا کیا۔عطائے ربانی پر بال بال شکر گزار۔عنایتِ مصطفوی پر سراپا نیاز وادب اور اس کرامت غوثیت پر محظوظ و فرحاں ،بارگاہِ قادریت میں سراپا عجز و خلوص وادب۔

۱۸ر سال کے طویل عرصے کے بعد امام عشق ومحبت کے خانۂ اقدس میں فرزند سعید بلکہ ’’سراپا سعد‘‘ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اور یہ بھی اس دعائے خاص کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔جو امام احمد رضا نے نہایت اخلاص کے ساتھ بارگاہ رب الانام میں کی تھی۔ ’’یااللہ اپنے محبوب کے طفیل اس غلام بارگاہ قادریت کو ایسا فرزند عطا کر۔جو مدت دراز تک تیرے دین کی خدمت انجام دے‘‘ دعا قبول ہوئی، رب نے خصوصی کرم فرمایا۔فرزند سعید آگیا۔پیکر اخلاص آگیا۔عاشق غوث اعظم نے درودیوار کو چمکا دیا، روحانیت کا بحر بیکراں جاری ہوگیا۔علم وعمل وعشق کا سنگم آگیا۔شریعت وطریقت کا نیرّ تاباں جگمگا اٹھا۔رشد وھدایت کا مہتاب طلوع ہوگیا۔جس نے لمبی مدت یعنی ۹۲ر سال کی عمر تک دین وسنیت کی عظیم خدمت کی۔اتنی لمبی عمر تو اعلیٰ حضرت کی نسل وخاندان میں کسی کی نہیں۔واقعی یہ دعائے رضا کی قبولیت کا زندہ وتابندہ ثبوت ہے۔جو خواب میں چاند ہے واقعی وہ چاند ہے۔ بیداری میں بھی چاند، علم وعمل کا چاند ۔کرامت و روحانیت کا چاند، تصوف واخلاص کا چاند اعلیٰ حضرت کی گود میں اتر گیا۔سب سے پہلی مبارک باد اسی دن مسجد خانقاہ برکاتیہ کی سیڑھیوں سے اترتے وقت مرشد العارفین، امام التارکین ۔خاتم الاکابر حضور سیدنا شاہ ابوالحسین نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے عطا کی۔انہوں نے اپنی چشم کشف وکرامت سے نومولود شہزادۂ رضا کو دیکھ لیا تھا۔بریلی اور بریلی کے احوال دیکھنا انہیں کیا مشکل۔ان کے سامنے لوحِ محفوظ رہا کرتا تھا۔تحت الثریٰ کی گہرائی بھی ان کی بینائی سے مخفی نہیں۔دیکھ کر مبارکباد عطا فرماتے ہیں۔مولانا صاحب! آپ آج ہی اپنے گھر تشریف لے جائیے۔آپ کو صاحبزادۂ سعید کی ولادت باسعادت بہت بہت مبارک ہو۔آپ کے گھر سعادتوں کا چاند طلوع ہوگیا ہے۔نومولود نہایت متبرک ومسعود ہے۔میں بہت جلد آپ کے یہاں پہونچ کر اس طفل سعید کی امانتیں اس تک پہونچا دوں گا۔

۲۵ر جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ کو حضرت نوری میاں قدس سرہ بریلی شریف تشریف لائے۔صاحبزادۂ والا شان کو آغوش ولایت میں لیا۔دیر تک خصوصی توجہ وانہماک کے ساتھ روئے پرنور اور وجود مسعود کو دیکھتے اور سمجھتے رہے پھر ’’جبین سعادت آثار‘‘ کو چوم کر امام احمد رضا سے فرمایا۔

’’یہ مبارک بچہ ولی ہے۔اس کے ماتھے سے روحانیت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔برکتوں کے اعتبار سے’’ ابوالبرکات‘‘اور

درجۂ فنائیت میں ''محی الدین جیلانی'' ہے۔ یہ دین کی بڑی خدمت انجام دے گا۔ بڑے بڑے نامور اپنی کلاہِ برتری اس کے قدموں پر رکھیں گے۔ یہ عاشق غوث اعظم ہے۔ مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فائدہ ہوگا۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ دین حق پر قائم ہوں گے۔'' (حیات مفتی اعظم، تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ) اس روحانی انکشاف کے بعد حضور نوری میاں نے اپنی انگشت ولایت اس ۶ رمہینے ۳ ردن کے طفلِ خوش قسمت کے منہ میں ڈال دی۔ شیر مادر کی طرح چوسنے لگے۔ حضرت اقدس نے اس روحانی، بافیض اور چشمۂ کرامات، انگشت مبارک کے ذریعہ گنجینۂ اسرار، سینۂ پُر انوار میں علوم ومعارف، حقائق واسرار، پاکبازی وخدا ترسی، عشق محمدی و عقیدت قادری کے دریا بہادئے۔ سلاسل طریقت کے فیوض و الطاف کی نہریں رواں کردیں، مہر مارہرہ کے چشمے لہلہادئے۔ اور اسی مجلس مخصوص وممتاز اور محفل برکات وانوار میں شرف بیعت سے نواز کر جملہ روحانی سلاسل ومعمولات کی اجازت بھی عطا فرمادی۔ (حیات مفتی اعظم)

اعلیٰ حضرت کی یہ دعا کہ ''ایسا فرزند عطا کر جو لمبی مدت تک تیرے دین کی خدمت کرے۔، اور حضرت نوری میاں کا یہ روحانی انکشاف'' کہ دین کی زبردست خدمت کرے گا مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فائدہ ہوگا اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ دین حق پر قائم ہوں گے یہ فیض کا دریا بہائے گا''۔ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ اور کیوں نہ ہو کہنے والے ''اللہ والے'' ہیں اور اللہ والے کی شان یہ ہوتی ہے کہ ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء کو شدھی تحریک کے زمانے میں مرشد برحق، مبلغ اعظم حضور مفتی اعظم ہند نے جو دینی خدمات انجام دیں، اسلام کی تبلیغ کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ لاکھوں افراد کو ہدایت کے موتیوں سے مالا مال کیا اور اپنی صحت وجان کی پرواہ کئے بغیر اسلامی جذبے سے سرشار ہوکر عیش وآرام کو بالائے طاق رکھ کر پرچم اسلام کی سربلندی اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کیلئے میدان عمل میں اتر گئے اور مختصر مدت ہی میں تقریباً ۹ رلاکھ افراد کو دامن اسلام سے وابستہ کردیا۔ یہ انہی بزرگوں کا روحانی تصرف ہے جنہوں نے کہا تھا کہ ''ایسا فرزند عطا کر جو طویل مدت تک تیرے دین کی خدمت کرے'' یہ بچہ ولی ہے جو لاکھوں کو راہِ ہدایت پر گامزن کرے گا''

اب آیئے ذرا اس کفری تحریک ''فتنۂ ارتداد'' شدھی تحریک (حضور مفتی اعظم ہند نے کبھی شدّھی تحریک نہیں کہا ہمیشہ ''اشدّھی تحریک'' فرماتے۔ کیوں کہ ہندو مبلغین مسلمانوں کو''شدّھ'' یعنی پاک نہیں بلکہ'' اشدّھ'' یعنی ناپاک کر رہے تھے۔ یہ آپ کی احتیاط گوئی کی شاندار مثال ہے) کا جائزہ لیں کہ کیسے وجود میں آئی؟ آریہ سماجیوں کا کیا طریقۂ کار تھا؟ مسلمان کس طرح ورغلائے جا رہے تھے؟ کتنے مسلمان ان کے دام تزویر کا شکار ہوچکے تھے؟ سرکار مفتی اعظم کا طریقۂ تبلیغ کیا تھا؟ آپ کے رفقاء کار نے کس خلوص و وفاداری اور مشقت وجاں فشانی کا ثبوت دیا۔ اپنے فریضۂ منصبی یعنی حق تبلیغ کو کیسی ذمہ داری اور بےلوث خدمت کے ساتھ انجام دیا؟ یہ فتنۂ ارتداد ایک آریہ سماجی رہنما ''شردھانند'' کی قیادت میں شہر آگرہ سے نمودار ہوا۔ اور اس کے ناپاک ساتھیوں کی مدد سے متھرا، میرٹھ بلندشہر، بھرت پور، بندرابن، علی گڑھ، ہاتھرس، ایٹہ، بہرائچ، گڑگاؤں، اٹاوہ، جسونت نگر، مین پوری، ادے پور، میواڑ۔ بڑودہ، بنارس، فیروز پور کانگڑہ، فرید کوٹ پنجاب، چھپرہ، سیوان جے پور، مکرانہ، جودھپور، بھیلواڑہ، چتوڑ گڑھ، رتلام، جھانسی، بھوپال، مرینہ نیز اڑیسہ وبنگال وگجرات کے کئی اضلاع وقصبات ومواضعات میں چھاتا چلا گیا۔ شدھی تحریک کیا تھی؟ ایک مشرکانہ مہم تھی۔ ایک ارتدادی لہر تھی۔ مسلم راجپوتوں کا شہر ودیہات کے مسلم عوام کو ہندو بنانے کا منصوبہ بند پروگرام تھا۔ جس میں ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ شریک تھے۔ جنہوں نے اس مشرکانہ تحریک کیلئے اپنی دولت اور خزانوں کے دہانے کھول دیئے تھے۔ بے دریغ پانی کی طرح

دولت بہائی جارہی تھی۔ اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی انتھک کوشش اور شیطانی جد وجہد کی جارہی تھی۔ کبھی مسلمانوں کو دولت وثروت کا لالچ دیا جاتا۔ کبھی اسلام کے خلاف جھوٹی کہانیاں گڑھ کر مسلمانوں کو سنائی جاتیں۔ ہندو اور مسلمانوں کو کھانے کی دعوت پر بلایا جاتا اور مسلمانوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کی جاتی۔ چوپایوں پر جمع کر کے ان پر رقم، کپڑے، غلہ، اور دیگر ضروری اشیاء خورد ونوش کی بھرمار کی جاتی اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کیا جاتا۔ کبھی انہیں خوفزدہ کر کے، ڈرا دھمکا کر ہندو دھرم قبول کرنے پر آمادہ کیا جاتا۔ کبھی بیمار مسلمانوں کا مفت علاج کر کے انہیں اپنی طرف مائل کیا جاتا۔ کبھی ان کے ساتھ کھان پان روا رکھ کر انہیں متاثر و مانوس کیا جاتا۔ مختصر یہ کہ ہر طرح انہیں اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی جاتی۔ اور اگر کسی بھی طرح وہ راضی نہ ہوتے تو پھر یہ آریہ سماجی ظالم وجابر رہنما لاٹھیاں، بندوقیں، تلواریں اور بھالے لے کر آتے اور ان غریب نہتے اور بے سروساماں مسلمانوں پر ظلم وتشدد کرتے، بے جا دباؤ ڈالتے۔ اور شدید جرمانہ ڈال کر انہیں مرتد ہونے پر مجبور کرتے۔ اس طرح کی کئی سالہ مسلسل کوششوں کا یہ ناپاک غم انگیز اور روح فرسا نتیجہ سامنے آیا کہ تقریباً ساڑھے چار لاکھ راجپوت مسلمان (آریہ سماجیوں کے دباؤ اور لالچ میں) اسلام سے برگشتہ اور ہندو باطل دھرم میں داخل ہو گئے۔

عظیم مبلغ عظیم خدمات: خانقاہوں کے اکثر سجادہ نشین اور ذمہ داران محو خواب تھے۔ اسلام کے نام نہاد علمبردار عیش پسندیوں کے نشے سے سرشار و بے خود تھے۔ ایسے پُرتشویش ماحول میں کہ مسلمانوں کا مذہب چھینا جارہا تھا۔ بڑے بڑے رہنمایان قوم کو اپنی مصروفیات اور ذاتی مشاغل سے فرصت ہی کہاں تھی؟ کہ وہ ادھر دیکھتے کہیں بیداریٔ احساس کی کوئی لہر نظر نہیں آرہی تھی۔ سارے مدارس و مکاتب خاموش تھے۔ کہیں سے اس فتنۂ ارتداد کے خلاف صدائے حق بلند ہوتی نظر نہ آتی تھی۔ کہیں کسی طرف بے چینی و بے قراری کی کوئی لکیر نہیں۔ کسی پیشانی پر حزن و ملال اور فکر وتشویش کی کوئی علامت نہیں تھی۔ دیوبند وندوہ کے تمام نام نہاد علماء اپنے منہ پر سکوت کا قُفل لگائے ہوئے گوشہ نشیں تھے۔ کس کو فکر تھی جو میدان تبلیغ میں سینہ سپر ہو کر آئے۔ دیوبند وندوہ کو علماء حق کی مذمت اور بزرگان دین کی تذلیل سے فرصت ہی کہاں؟ ان کی تبلیغ سے ہونا بھی کیا تھا؟ ان کی تبلیغ، تبلیغ حق کہاں؟ تمام دیوبندی علماء گویا حالات سے باخبر اپنی خواب گاہوں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ ہاں وہ بریلی کا عظیم رہنما و مبلغ اسلام تھا جس کے پُرسوز سینے میں قوم اور اسلام کا درد تھا۔ ملت کا احساس تھا، دین کا پاس ولحاظ تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں میں عزم وہمت کی تلوار اور حق وصداقت کا آفتاب عالم تاب لیکر اٹھا جو باطل کی ظلمتوں کو قتل کرتا ہوا اور راجپوتوں کو ''نورِ صداقت'' کی بھیک بانٹتا ہوا گزر گیا۔

جمال روئے منور کی تابشوں سے حضور
تجلیات کا سورج اگا دیا تم نے

مرشد برحق حضور مفتیٔ اعظم ہند نے اپنی ''تحریک انسداد'' کا آغاز ۱۹ر جنوری ۱۹۲۳ء کو کیا۔ چنانچہ آپ نے ۱۰ر نامور اور خدا ترس وخدارسیدہ علماء دین (جن میں حجۃ الاسلام حضرت العلام مفتی محمد حامد رضا خاں صاحب، شیر بیشۂ اہلسنت، حضرت علامہ مفتی حشمت علی خاں صاحب، ابوالبرکات حضرت مولانا سید احمد صاحب قادری، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرآدبادی، ماہر علوم دینی وعصری حضرت مولانا قطب الدین صاحب برہمچاری، حضرت مولانا قاضی احسان الحق صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا محمد شفاء الرحمٰن صاحب کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔) اٹاوہ، بھرت پور، جے پور اور دیگر متاثرہ اضلاع کا دورہ کیا۔ ہیڈ کوارٹر آگرہ کو بنایا۔ ہیڈ کوارٹر سے حضور مفتیٔ اعظم ہند نے تمام علاقوں میں وفود روانہ کئے۔ ان وفود کی ذمہ داری مسلم راجپوتوں کو اسلام سے قریب کر کے احکام دین کا پابند بنانا تھا۔ اور مجمع عام میں آریہ سماجیوں سے مناظرہ کر کے اسلام کی صداقت و حقانیت کا پرچم لہرانا اور ہندو دھرم کا بطلان واضح وآشکار کرنا تھا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کا اخلاصِ دینی اور جذبۂ خدمت اسلام دیکھئے کہ اپنے ذاتی مال سے دینی مدارس قائم کئے۔ تعلیم بالغاں کے لئے شبینہ مدارس قائم کئے۔ مدرسین کی تنخواہیں، طلباء کی کتابیں، اماموں کی تقرری اور ان کے وظیفے، ہندی رسم الخط میں اسلامی لٹریچر اپنی جیب خاص سے شائع کیا اور عوام وخواص میں مفت تقسیم کردیا۔ نمازیوں کے کپڑوں، مسجدوں کیلئے فرشوں اور مصلوں کا انتظام واہتمام بغیر کسی چندے کے اپنی ذاتی رقم سے فرماتے۔ غرباء ومفلسین میں روپیہ پیسہ ان کی ضرورت کا سامان، اشیاءِ خورد ونوش غلہ، دال، اور سبزیاں وغیرہ انتہائی فراوانی کے ساتھ تقسیم کراتے متأثرہ علاقوں میں سیکڑوں مدارس قائم کئے جن کے انتظام واہتمام ،اور اخراجات کی ذمہ داری آپ نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ حضرت نے اسلام کے خلاف دشنام طرازیوں اور شیطانی افواہوں کا جواب دینے کیلئے قابل قدر، ذی استعداد، ماہر علوم اور مذاہب عالم پر گہری نظر رکھنے والے کئی علماء ومبلغین متاثرہ علاقوں میں روانہ کردیئے تھے۔ اور خود بھی شب وروز علاقوں کا سفر کرتے اور جہاں معلوم ہوتا کہ شردھانند اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو ورغلا رہے ہیں وہیں کا رخ کرتے اور گاؤں گاؤں، بستی بستی، شہر شہر، گھوم گھوم کر شردھانند کا تعاقب کرتے اور عام اجتماعات میں آریہ سماجیوں کو مسکت دندان شکن اور ہوش رُبا جواب دیکر انہیں رسوا وذلیل کرتے جس کا خاطر خواہ، مفید اثر عوام پر پڑتا۔ کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ کسی گاؤں میں آریہ سماجیوں کی محفل جمی ہوتی وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو جمع کرکے ہندو دھرم کا پرچار کررہے ہوتے۔ مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی کوششوں نیز مسلمانوں اور اسلام کی مخالفتوں اور مذمتوں میں مصروف ہوتے ایسے وقت میں مسلم علماء ومبلغین پہونچ جاتے اور ان کے جلسے میں ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے اور ہندو دھرم کی ناپاکی و شناعت اور بطلان وخباثت بیان کرتے جس کا جواب آریہ سماجی نہ دے پاتے اور مبہوت ومردود ہوکررہ جاتے۔ اگر آریہ سماجی مناظرہ کرتے تو وہ مسلمانوں کے حق میں مفید ہوتا اس لئے کہ مناظرہ میں انہیں شکست فاش ہوتی اور عام اجتماعات میں ہرخورد وکلاں کے سامنے وہ رسوا ہوتے جس کا عمدہ اثر عوام پر پڑتا۔ مسلسل آریہ سماجیوں کی شکست فاش اور عوام کے روبرو انہیں کافی مایوس کردیا۔ لگاتار ناکامیوں اور سلسلہ وار شکستوں نے ان کے حوصلے پست کردئے وہ اب مناظرہ کرنے اور علماء اسلام کا سامنا کرنے سے کافی گھبرانے اور کترانے لگے۔ الحمدللہ حضور مفتیٔ اعظم ہند اور ان کے اعوان وانصار کی پُرخلوص مساعیٔ جمیلہ اور تبلیغ اسلام نے باطل کو سرنگوں کردیا۔ اور اسلام کی حقانیت مسلم راجپوتوں پر سورج کی مانند آشکارا ہوگئی۔ بہار اور اڑیسہ کے کئی اضلاع میں شیخ طریقت حضرت سید علی حسین صاحب اشرفی اور ابونصر مولانا محمد یعقوب خاں صاحب نے مولانا قاضی احسان الحق صاحب اور صدر الافاضل کی معیت میں زبردست خدمت کی اور تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا جس کے نتیجے میں ان اضلاع سے فتنۂ ارتداد کا جنازہ نکل گیا اور کثیر تعداد میں ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے۔

صعوبتوں کا سامنا: اس دوران حضرت مفتیٔ اعظم ہند کو بے پناہ صعوبتوں، دشواریوں اور مشقتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ دور دراز دیہاتوں میں جہاں سڑکیں اور سواریاں تو درکنار، ہموار راستے تک نہیں تھے۔ جہاں کا سفر انتہائی دشوار گزار اور پُر صعوبت ہوتا۔ حضرت نے ان مواضعات کا پاپیادہ سفر کیا۔ مئی، جون کی شدید گرمیوں میں لوہے کے تپتے ہوئے صحرا پر۔ آپ کو کئی کئی میل تک پیدل چلنا پڑتا، ناز ونعم کے پروردہ ۳۰؍سال کی جوان العمری میں دھوپ کی تمازت سے جلتے ہوئے دین کی خاطر سفر فرماتے، اور ایسا سفر کہ اوپر سے سورج آگ برسا رہا ہے اور نیچے سے ریگستانی صحرا پیروں کو بھون رہا ہے، پتھر انگاروں کی طرح تپ رہے ہیں، ریت کے ذرّے گرمی کی شدت سے سرخ ہورہے ہیں، پورا صحرا آگ میں جل رہا ہے۔ دور دور تک سایہ کا نام ونشان تک نہیں، چرند پرند اپنے آشیانوں میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں مگر امام احمد رضا کا یہ لاڈلا اپنے سینے میں ملّت کا درد لئے اور دل میں آقائے کائنات کا عشق

لئے، خدا و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا و خوشنودی کے لئے سفر کر رہا ہے۔ ہوا کے تیز و تند تھپیڑے ریت کے ذرّوں کو اڑا اڑا کر آنکھوں میں جھونک رہے ہیں۔ پسینے سے پورا جسمِ پاک تر بتر ہے مگر آپ مصروف سفر ہیں۔ پیدل چلتے چلتے آپ کے مبارک پیروں پر ورم بھی آیا۔ جسے آپ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت میں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ یہیں تک نہیں بلکہ چلتے چلتے آپ کے تلووں میں چھالے بھی پڑے، جو ٹوٹ ٹوٹ کر بہنے لگے۔ مسلسل سفر کے باعث صحرا کا ریت چھالوں کے زخموں میں نمک کی طرح لگ لگ کر تکلیف میں اضافہ کرتا رہا۔ شدت تکلیف سے آپ کو سخت بخار بھی آیا مگر واہ رے مبلغ اسلام! پیروں کا ورم تلووں کے چھالے، بخار کی شدت بھی آپ کو فریضۂ تبلیغ سے روک نہ سکی۔

سنگریزوں کی چبھن کا مجھے احساس کہاں
میں تو منزل کے مناروں پہ نظر رکھتا ہوں

دھوپ کی تمازت سے پھول جیسا چہرہ کمہلا جاتا۔ مگر پھر بھی آپ خنداں اور ہشاش بشاش رہتے۔ دیگر ارکان تحریک کو اس کا احساس تک نہ ہونے دیتے۔ آپ اپنے پیروں کے چھالے دیکھتے تو رسول اکرم، ہادیٔ کائنات ﷺ کا سفر طائف یاد آجاتا۔ جس کے تصور سے آپ کے مقدس پیروں کا درد رفع ہو جاتا۔ آپ اپنے محبوب کی یادوں کے اتھاہ ساگر میں ڈوب جاتے۔ اور کمالِ عشق و عقیدت سے عرض گزار ہوتے کہ۔

یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
ترے نام پہ سب کو وارا کروں میں

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی پُر خلوص مساعی، بے لوث خدمت اور جہد مسلسل سے مسلم راجپوتوں میں اسلام کا غلبہ ہوا۔ اور اسلام دشمن آریہ سماجیوں کو پے در پے ناکامیوں اور رسوائیوں کے بعد راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ ساڑھے چار لاکھ وہ افراد جو اسلام سے برگشتہ ہو کر ہندو دھرم اختیار کر چکے تھے۔ دوبارہ داخل اسلام ہوئے۔ مزید برآں خاصی تعداد میں ہندو بھی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر حضرت کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (دبدبۂ سکندری رامپور ۱۱رجون ۱۹۲۳ء)

حضور مفتیٔ اعظم ہند نے اپنے مولیٰ کی عنایت و تائید کے طفیل فتنۂ ارتداد، (شدھی تحریک) کی ایسی زبردست سرکوبی کی کہ آپ کے دم قدم کی برکتوں کے اثر سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ فتنہ نیست و نابود ہو گیا۔ اور اسلام کا پرچم صداقت راجپوتانہ علاقوں کے در و دیوار پر لہرانے لگا۔ اس عظیم کامیابی پر دنیا حیرت زدہ تھی کہ لوگوں نے جس کا مکونا ممکن سمجھا تھا دین کے اس سچے داعی ونقیب نے اسے ممکن سے ممکن تر کر دکھایا۔ وہ جب اپنے گھر سے تبلیغ اسلام کا جذبۂ بیکراں لیکر چلے تو ان کا عزم جواں اور اسلامی جوش و ولولہ زبان حال سے پکار رہا تھا۔

زمین کفر پر گلشن نیا سجائیں گے
ترے وجود میں ہم اپنا گھر بسائیں گے

نیت میں اخلاص تھا، تبلیغ کو انہوں نے اپنا فریضہ تصور کیا، دشمنان اسلام کی سرکوبی ان کا اولین مشن تھا، پرچم اسلام لہرانا ان کا مقصد دلی تھا، دین کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ان کا حسین ترین مشغلہ تھا، کفار و مشرکین کو بھگانا اور حق وصداقت کا سورج اُگانا ان کا مطمح نظر تھا۔ ان کے رب نے انہیں عظیم کامیابی سے نوازا، اور دنیا کیلئے ان کا اقدام، ان کا کارنامہ اوران کی روش مشعل راہ بنادی گئی۔ سچ ہے جو ہمت و حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ جو اخلاص کے ساتھ کام کرتا وہ لوگوں کا امام و پیشوا ہوتا ہے۔ جو دین کے نام پر دولت کو قربان کرتا ہے دولت اس کے گھر کی کنیز ہو جاتی ہے۔

لٹادے جو متاع دل نبی کے پائے اطہر پر
زمین وآسماں کا ہر شرف اس کے قدم چومے

〈جاری〉

ترجمہ: مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدرالافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم و پیغمبری دے ۱۴۹ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہوجاؤ ۱۵۰ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ۱۵۱ ہوجاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو ۱۵۲ اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا ۱۵۳ کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہرالو۔ کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہولئے ۱۵۴ اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا ۱۵۵ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول ۱۵۶ کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے ۱۵۷ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہوجاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس ۱۵۸ کے بعد پھرے ۱۵۹ تو وہی لوگ فاسق ہیں ۱۶۰ تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں ۱۶۱ اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں ۱۶۲ خوشی سے ۱۶۳ اور مجبوری سے ۱۶۴ اور اسی کی طرف پھریں گے یوں کہو کہ ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراھیم اور اسمٰعیل۔ اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے ۱۶۵ اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے کیونکر اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لاکر کافر ہوگئے ۱۶۶ اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول ۱۶۷ سچا ہے اور انہیں کھلی نشانیاں آچکی تھیں ۱۶۸ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (سورۂ آل عمران، پ۳، ع۱۵/۱۶، آیت ۷۸تا۸۶)

تفسیر: ۱۴۹ اور کمال علم و عمل عطا فرمائے اور گناہوں سے معصوم کرے۔ ۱۵۰ یہ انبیاء سے ناممکن ہے اور ان کی طرف ایسی نسبت بہتان ہے۔ **شان نزول:** نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا ہے کہ ہم انہیں رب مانیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب کی اور بتایا کہ انبیاء کی شان سے ایسا کہنا ممکن ہی نہیں اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ ابو رافع یہودی اور سید نصرانی نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا محمد آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو رب مانیں؟ حضور نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم کروں نہ مجھے اللہ نے اس کا حکم دیا نہ مجھے اس لئے بھیجا۔ ۱۵۱ ربانی کے معنیٰ عالم فقیہ اور عالم باعمل اور نہایت دیندار کے ہیں۔ ۱۵۲ اس سے ثابت ہوا کہ علم و تعلیم کا ثمرہ یہ ہونا چاہئے کہ آدمی اللہ والا ہوجائے جسے علم سے یہ فائدہ نہ ہوا اس کا علم ضائع اور بیکار ہے۔ ۱۵۳ اللہ تعالیٰ یا اس کا کوئی نبی۔ ۱۵۴ ایسا کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ ۱۵۵ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جس کسی کو نبوت عطا فرمائی ان سے سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عہد لیا اور ان انبیاء نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپکی نصرت کریں اس سے ثابت ہوا کہ حضور تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں ۱۵۶ یعنی سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۷ اس طرح کہ ان کے صفات و احوال اس کے مطابق ہوں جو کتب انبیاء میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ۱۵۸ عہد۔ ۱۵۹ اور آنے والے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے اعراض کرے۔ ۱۶۰ خارج از ایمان۔ ۱۶۱ بعد عہد لئے جانے کے اور دلائل واضح ہونے کے باوجود۔ ۱۶۲ ملائکہ اور انسان و جنات۔ ۱۶۳ دلائل میں نظر کرکے اور انصاف اختیار کرکے۔ اور یہ اطاعت ان کو فائدہ دیتی اور نفع پہنچاتی ہے۔ ۱۶۴ کسی خوف سے یا عذاب کے دیکھ لینے سے جیسا کہ کافر عند الموت وقتِ یاس ایمان لاتا ہے یہ ایمان اس کو قیامت میں نفع نہ دے گا۔ ۱۶۵ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا کہ بعض پر ایمان لائے بعض کے منکر ہوگئے۔ ۱۶۶ **شان نزول:** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کہ یہود حضور کی بعثت سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے اور آپ کا انتظار کرتے تھے اور آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے جب حضور کی تشریف آوری ہوئی تو حسداً آپ کا انکار کرنے لگے اور کافر ہوگئے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے توفیق ایمان دے کہ جو جان پہچان کر اور مان کر منکر ہوگئی۔ ۱۶۷ یعنی سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۶۸ اور وہ روشن معجزات دیکھ چکے تھے۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ **محمد سبحان رضا سبحانی میاں** مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر، سوداگران بریلی شریف

مسائل تکفین وتدفین

مردوں کولا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو: **عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقنوا موتا کم لا الٰہ الا اللہ**

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا اپنے مردوں کولا الٰہ الا اللہ سکھاؤ۔

اذان قبر کا ثبوت: اس حدیث میں جہاں حالت نزع میں اور بعد دفن مردہ کوکلمۂ طیبہ کی تلقین کا حکم دیا گیا ہے وہیں بعد دفن قبر پراذان کا بھی اس سے ثبوت ملتا ہے چنانچہ میرے جد کریم سیدنا سرکار اعلیٰ حضرتامام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہےاوراسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ خاتمہ اسی پاک کلمہ پرہواور شیطان لعین کے بہلانے میں نہ آئے۔اور جودفن ہو چکا حقیقتاً مردہ ہےاوراسے بھی کلمۂ پاک سکھانے کی حاجت، بعون اللہ تعالیٰ جواب یادہوجائے۔اورشیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے۔اور بیشک اذان میں یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ تین جگہ موجود ہے بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ان کے سوال تین ہیں۔مــــن ربک تیرارب کون ہے؟ **مادینک** تیرادین کیاہے؟**ماکنت تقول فی ھذا الرجل**،تو ان مردیعنی حضور نبی کریم ﷺ کے باب میں کیااعتقادرکھتا تھا؟اب اذان کی ابتداءمیں **اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ** اور آخر میں ''اللہ اکبراللہ اکبر'' سوال من ربک کا جواب سکھائیں گے۔ان کے سننے سے یادآئے گا کہ میرارب اللہ ہے۔اور **اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد رسول**،سوال **ماکنت تقول فی ھذا الرجل**'' کاجواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کارسول جانتا تھا۔اور **حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح**،جواب'' **مادینک** '' کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرادین وہ تھاجس میں نمازرکن وستون ہے کہ'' **الصلوٰۃ عماد الدین** ''،توبعددفن اذان دینااس ارشادکی تعمیل ہے جوحضور نبی کریم ﷺ نے اس حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا۔(فتاویٰ رضویہ ۲/ ۶۶۹)

جوجس حال میں مرے گااسی پر اٹھے گا: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جو جس حال میں مرے گااللہ تعالیٰ اسےاسی حال میں اٹھائے گاجولوگ معمولی سی دنیوی فائدے کے لئے غیر مسلموں اور بدمذہبوں سے دوستی گانٹھتے ہیں اوران کی خیرخواہی کرتے ہیں انہیں اپنے بدانجام خاتمہ کا اندیشہ کرنا چاہئے چنانچہ میرے جد امجد سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: افسوس ان مسلمانوں پرجومسلمانوں کی مخالفت میں ہندوؤں کاساتھ دیں اوران کی جماعت بڑھاویں ، انکا نفع چاہیں، مسلمانوں کو نقصان پہونچائیں خصوصاً وہ بھی ایسی بات میں جس کی بنامذہبی کام پرہوان لوگوں کوتوبہ کرنا چاہئے ورنہ اندیشہ کریں کہ اسی حالت میں موت آگئی توحشر بھی ہندوؤں کے ساتھ ہوگا۔(فتاویٰ رضویہ حصہ دوم ۳۱/۹)

جنازہ میں جلدی کرو: **عن حصین بن وحدح الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عجلوا فانہ لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظھر انی اھلہ**

حضرت حصین بن وحدح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جلدی کروکہ مسلمان مردے کو

روکنا نہ چاہئے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا مات احدکم فلا تحبسوہ و اسرعوا بہ الیٰ قبرہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں کوئی مرے تو اسے نہ روکو اور جلدی دفن کو لے جاؤ۔ تدفین کے سلسلہ میں آج کل بہت زیادہ بے راہ روی پائی جاتی ہے چنانچہ عزیز وا قارب اور ازدحام کثیر کے لالچ میں لوگ جنازہ کو کئی کئی دن تک روکے رکھتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں جلدی کرنے کی تاکید کی گئی ہے میرے جد کریم سرکار اعلیٰ حضرت **امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں**: لہٰذا اعلاء فرماتے ہیں کہ اگر روز جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہوگیا تو جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں۔ پہلے ہی دفن کر دیں۔ اس مسئلہ کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے کہ آج کل عوام میں اس کے خلاف رائج ہے۔ جنہیں کچھ سمجھ ہے وہ تو اسی جماعت کثیرہ کے انتظار میں روکے رکھتے ہیں اور نرے جہال نے اپنے جی سے اور باتیں تراشی ہیں کوئی کہتا ہے کہ میت بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے۔ کوئی کہتا ہے نماز کے بعد دفن کریں گے تو میت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا یہ سب بے اصل اور خلاف مقصد شرع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/۵۰)

اچھا کفن دو اور میت کا قرض جلد ادا کرو: عن ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احسنوا الکفن و لا توذوا موتاکم بتعویل ولا تاخیر و صیۃ ولا بقطیعۃ وعجلوا قضاء دینہ واعزلوا عن جیران السوء

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اچھا کفن دو، اور اپنی میت کو چلا کر رونے، یا اس کی وصیت میں دیر لگانے، یا قطع رحم کرنے سے ایذا نہ پہونچاؤ۔ اور اس کا قرض جلد ادا کرو، اور برے ہمسائے سے الگ رکھو۔

اس حدیث میں وارد جملہ" و اعزلو اعن جیران السوء" سے مراد کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے میرے جد کریم **مجدد اعظم سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں**: یعنی مردہ کو قبور کفار و اہل بدعت و فسق کے پاس دفن نہ کرو۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/۲۶۱)

میت کے کنگھی کرنا ممنوع ہے: عن ام المومنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا سئلت عن المیت یسرح راسہ فقالت علام تنصون میتکم (فتاویٰ رضویہ ۴/۱۷۰)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ سے میت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا کنگھی کی جاسکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کس لئے اپنی میت کو تکلیف پہونچاؤ گے۔

عن ام المومنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا رأت امراۃ یکدون راسہا بمشط فقالت علام تنصون میتکم (فتاویٰ رضویہ ۴/۱۷۰)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک عورت کے جنازہ کو کنگھی کی جارہی ہے تو آپ نے فرمایا کس لئے اپنی میت کو تکلیف پہونچا رہے ہو۔ (ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ میت کو کنگھی کرنا ممنوع ہے کہ اس سے اسے تکلیف پہونچتی ہے)

جنازہ کے ساتھ کیا پڑھے: عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لم یکن یسمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یمشی خلف الجنازۃ الاقول " لا الٰہ الا اللہ "

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی کسی جنازہ کے پیچھے چلتے تو لا الٰہ الا اللہ پڑھتے (فتاویٰ رضویہ ۴/۵)

بعد دفن استغفار کرو: عن امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن ا لمیت وقف علیہ قال استغفروا لا خیکم و اسئلوا لہ بالتثبیت فانہ الان یسئل.

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جب دفن سے فارغ ہوتے قبر پر وقف فرماتے اور ارشاد کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جواب نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

اس حدیث اور اس قبیل کی دیگر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بعد دفن میت قبر پر رک کر دعا کرنا صحیح ہے اور اس سے مردہ کو انس، تلقین اور فائدہ حاصل ہوتا ہے پھر اذان بھی چونکہ ذکر الٰہی اور ایک بہترین دعا ہے جو قبر پر دعا کرنے والے حضور کے حکم عام میں داخل ہے لہذا بعد دفن اذان پڑھنے سے مردہ کو بلا شبہ فائدہ حاصل ہوتا ہے لہذا میرے جد کریم سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: اسی طرح کی حدیثوں سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنت ہے۔ امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں، ''نماز جنازہ با جماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانۂ شاہی پر میت کی شفاعت اور عذر خواہی کیلئے حاضر ہوا اور اب قبر پر کھڑے ہو کر دعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے کہ اس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحباب دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو'' امام آجری فرماتے ہیں ''مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لئے دعا کریں''

اسی طرح اذکار نووی و جوہرۂ نیرہ و در مختار و فتاویٰ عالمگیری وغیرہا اسفار میں ہے۔ طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مأۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے؟ فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاویٰ عالمگیری یہ سے نقل کیا کہ ''قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا سنت سے ثابت ہے'' اور براہ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دعا بلکہ بہترین دعا سے ہے کہ وہ ذکر الٰہی اور ہر ذکر الٰہی دعا تو وہ بھی اسی سنت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی پھر سنیت مطلق سے کراہت فرد پر استدال عجب تماشا ہے؟ مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں۔ **کل دعاء ذکر و کل ذکر دعاء.** ہر دعا ذکر اور ہر ذکر دعا ہے۔

(صفحہ ۴۳ کا بقیہ)

یہاں اصل مادہ غفلت سے غافل کا ذکر ہوا ہے اور ذکر سے ذاکر او رند کو رلایا گیا ہے۔

غرض کہ حضور مفتی اعظم ہند کی ''حمد یہ شاعری'' فکر و فن کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے۔ زبان و بیان کی چاشنی، اسلوب کی طرح داری، سلاست و نفاست اور فکر و خیال کی حسیں ترجمانی لائق دید اور قابل تعریف ہے۔ آپ کی حمد نگاری داخلی کیفیات کے بیان اور اظہار شیفتگی کا ایک حسین اور دلکش مرقع ہے۔ بیان میں روانی اور تسلسل کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کسی بلند مقام سے آبشار پوری قوت سے بہہ رہا ہو۔ ذیل کے اشعار دیکھیں۔

نور میں وہ ہے نظر میں وہ
شمس میں وہ ہے قمر میں وہ
ابر میں وہ ہے گہر میں وہ
کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
جز میں وہ ہے کل میں وہ
رنگ و بوئے گل میں وہ
افغان بلبل میں وہ
نغمات قلقل میں وہ
قرب و بقا و وصل میں وہ
بعد وفراق وفصل میں وہ
فتح و ضم و جر میں وہ
پیش و زیر و زبر میں وہ

یعنی حمد الٰہی کی پاکیزہ دھن اور جمالیاتی احساس سے مغلوب ہو کر آپ نے اشعار کے ایک سے ایک حسین پیکر تراشے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی شاعری اور اس کے فنی محاسن پر توجہ دی جائے اور ایک با کمال شاعر کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر کے آپ کا تعارف کرایا جائے۔

فتاویٰ منظراسلام

ترتیب ، تخریج ، تحقیق: حضرت مولانا الحاج محمد احسن رضا قادری نائب سجادہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

صف میں بچوں کے کھڑا کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب جماعت نماز کی کھڑی ہوئی تھی اس میں آگے صف میں سب بچے قریب آٹھ سال بارہ سال تک کے تھے جن میں نماز کچھ بچوں کو صحیح بھی یاد نہیں ہے اور وہ نماز پڑھتے وقت مذاق بھی کرتے اس وقت کوئی بڑا آدمی بعد میں پہونچا اس وقت بڑے آدمی کو بائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے یا نہیں اس کی نماز ہوجائیگی یا نہیں یا چار آدمی جماعت شروع ہونے پر موجود تھے وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور داہنی جانب جگہ باقی رہ گئی بعد میں پیچھے آتے گئے اور بائیں جانب کھڑے ہوتے گئے اور بائیں جانب جگہ باقی نہیں رہی اب کچھ بچے اور آئے تو وہ دائیں جانب کھڑے ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

محمد شفیع موضع گرگیہ ڈاکخانہ رچھا ضلع بریلی

الجواب: جو بچہ نماز خوب جانتا ہے وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے درمختار میں ہے **لو واحدا دخل الصف** اور چند بچے ہوں تو مردوں کی صف کے بعد انہیں کھڑا کیا جائے۔ اب اس کے بعد کوئی آیا تو جہاں جگہ ملے وہاں کھڑا ہو اس بچہ کو ہٹانے کا حکم نہیں ہے اور بچے بعد میں آئیں تو مردوں کی صف کے بعد صف قائم کریں اور اگر جماعت قلیل ہے تو مردوں کے بعد کھڑے ہوں۔ اور جو بچے نماز صحیح طور سے پڑھنا نہیں جانتے انہیں صف کے پیچھے کھڑا کریں مردوں کی صف میں ایسوں کو نہ کھڑا کیا جائے والمولیٰ تعالیٰ اعلم۔

سود اور بیع سلم کا حکم

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ زید اہل ہنود سے سود پر روپیہ لے کر تجارت کرتا ہے۔ اور اس روپیہ کو جس سے کاروبار انجام دیتا ہے اس کو ہی سود کا روپیہ دیتا ہے یعنی کہ دیہات والے سے گنے کا رس خریدتا ہے اس روپیہ سے یعنی اگر کسی دیہاتی کو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے تو زید سے روپیہ قرض لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم کو گنے کا رس دیدونگا تو زید سود پر لئے ہوئے رقم کو دیہاتی کو دیتا ہے تو سود اسطرح سے لینا دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور اس کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھانا ناجائز ہے۔

(۲) اور بکر جو معترض ہے زید پر وہ خود عشر نہیں نکالتا ہے اور آم کی فصل کی بیع درخت ہی پر کردیتا ہے اور ڈالی ٹھہرا دیتا کہ آم میں تم سے ایک ہزار یا پانچ سولوں گا بیع کے وقت یہ شرط لگادیتا ہے بائع پر بکر کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں۔ اور کہتا ہے کہ ہم عشر نہیں نکالتے ہیں تو کوئی بات نہیں اور زید پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ سود کھاتا ہے اس لئے اس کے یہاں کھانا جائز نہیں۔

(۳) اور خالد سے کوئی بھی شخص بوقت ضرورت روپیہ پیسہ قرض لیتا ہے تو خالد قرض لینے والے سے کہتا ہے کہ فلاں فصل کے موقع پر تم سے اتنا اس فصل کی چیز لوں گا چاہے وہ اس وقت کتنے ہی مہنگا ملے بلکہ یا اس وقت اس کی بھاؤ کچھ اور ہی کیوں نہ ہو مثلاً تم کو میں روپیہ دے رہا ہوں فلاں فصل کی چیز تم سے ایک من لوں گا یا ۳۰ رکلو لوں گا ایسا لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) سود حرام قطعی ہے دینا لینا دونوں حرام ہیں۔ زید پر اس سے توبہ لازم ہے ایسوں کے یہاں کھانے سے بچنا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بکر کے یہ دونوں کام ناجائز وخلاف شرع ہیں اس پر ان سے توبہ لازم ہے اس کے یہاں بھی کھانا منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) یہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم کی چودہ شرطیں ہیں اگر ان میں سے کوئی مفقود ہو تو عقد فاسد ہوگا۔ اور اگر جملہ شرائط کے ساتھ عقد کیا گیا تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مرد کے ساتھ رہنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ میں کہ ایک عورت شادی ہونے کے بعد قریب قریب چھ سات سال تک اپنے اصل شوہر کے یہاں پر رہتی رہی اور اس عرصہ میں دو بچے بھی پیدا ہوئے اس کے بعد اپنے موضع کے ایک اہل ہنود کے ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ اور قریب قریب آٹھ دس سال تک اس کے ساتھ رہتی رہی اس کے بعد برادران اسلام نے بہت بڑی کوشش کر کے اس اہل ہنود سے وہی عورت چھین کر اپنے قبضہ میں کر لی اور اس دن سے وہ عورت ایک اہل اسلام کے پاس ہے جس کو عرصہ قریب قریب ایک سال کا ہو گیا ہے اسی عرصہ میں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا ہے اور بچہ قریب ایک ماہ کا ہو گیا ہے ایسی صورت میں شرع شریف سے اس عورت پر اور اس شخص پر کیا حکم ہے شرع شریف سے مطلع فرمایا جائے (بشیر احمد موضع مبارک پور تحصیل نواب گنج بریلی)

الجواب: صورت مسئولہ میں وہ عورت سخت گنہگار ظالمہ جفا کار مستحق عذاب نار حق اللہ اور حق العبد میں گرفتار ہے اس پر توبہ و استغفار فرض ہے اور فوراً اپنے شوہر کے یہاں جانا اور اس سے معافی چاہنا لازم ہے وہ ہندو کے ساتھ بھاگی سخت گنہگار ہوئی اس سے توبہ کرے اب دوسرے کے ساتھ ناجائز طور پر رہ رہی ہے۔ اس سے بھی توبہ کرے۔ جس آدمی نے اپنے گھر رکھا ہے اگر بیوی کی طرح رکھتا ہے تو وہ بھی سخت گنہ گار ظالم جفا کار حق اللہ اور حق العبد میں گرفتار ہے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور فوراً اس عورت سے علحدہ ہو جانا بھی اگر وہ اس عورت کو علحدہ نہ کرے اور توبہ واستغفار نہ کرے تو واقف حال مسلمانوں پر شرعاً لازم ہے کہ اس سے ترک تعلق کریں تاکہ وہ مجبور ہو کر توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

تعزیہ داری کے لئے چندہ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہمارے بستی میں محرم الحرام کے مہینے میں چندہ کر کے سبیل ونذر ونیاز اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کی نقل تعزیہ بناتے ہیں اس میں بھی ہم سب بستی کے لوگ چندہ دیتے ہیں اور خصوصاً مسجد کے پیش امام صاحب تعزیہ بناتے اور اسے فروخت کرتے اور انعام حاصل کرتے ہیں ہمیشہ امام صاحب نے تعزیہ داری کو جائز بتایا لیکن ان کو امسال انعام نہ ملنے کے سبب سے انہوں نے ہمارے گاؤں میں پھوٹ ڈلوادیا اور اب تعزیہ داری کو ناجائز وحرام بتاتے ہیں اور چار پانچ سال قبل امام صاحب ہندوؤں کے دسہرے میں راون بھی بناتے تھے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ سبیل نذر ونیاز روضہ اقدس کی پتھر کی و شیشے کی ولکڑی وکاغذ وبانس کی نقل تعزیہ بنانا شرع میں کیا حکم ہے۔

الجواب: ایام محرم یا دیگر ایام میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و شہیدا کے نام سے نیاز دلائی جائے جائز ہے اور تعزیہ داری مروجہ طریقہ پر کرنا ناجائز وحرام وگناہ ہے اس کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ رسالہ تعزیہ داری دیکھئے۔ امام مذکور نے اب تعزیہ داری سے روکا اچھا کیا مگر مسجد سے مسلمانوں کو روکنا گناہ تھا اس کی وجہ سے وہ گنہگار ہوئے توبہ کریں اور تعزیہ داری و راون بنانے والے فعل سے بھی تائب ہوں بعد توبہ وصلاح حال ان کے پیچھے نماز درست ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عورت کے کفن میں سینہ بند باندھنے کا حکم

معظم محترم جناب مولوی صاحب اسلام علیکم واضح ہو کہ آج ہم جمعہ میں سب لوگوں کے درمیان مولوی رحیم اللہ صاحب رونق افروز ہوئے ان کی صحبت سے ہم سب کو آپ کی یاد آ گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ میں مسئلہ کی بھی یاد آ گئی ہے۔ جس کے بارے میں میلاد کی صبح آپ سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یعنی کفن کے متعلق کہ سینہ بند تمام چادروں سے اوپر باندھنے کے بارے میں پوچھا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ میں مدرسہ پہنچ کر اس بارے میں مزید معلومات حاصل کر کے ہم لوگوں کو بتائیں گے۔ لہذا مولوی صاحب موصوف آئندہ جمعہ کو پھر ہمارے درمیان رونق افروز ہوں گے اگر

آپ سے ہو سکے تو مولوی صاحب موصوف کے ذریعہ ہمیں آگاہ فرمائیں۔ کالے خاں ساکن ٹھریا نجابت خاں بریلی شریف ۲۴؍مئی ۱۹۷۴ء

الجواب: سینہ بند سب کے اوپر رہے گا جیسا کہ بہار شریعت میں لکھا ہے اور فتاویٰ رضویہ شریف میں ج ۴؍ صفحہ ۱۰ میں ایسا ہی ہے۔ پہلے چادر اور اس پر تہہ بند بدستور بچھا کر کفنی پہنا کر تہہ بند پر لٹائیں اور اس کے بال کے دو حصہ کر کے بالائے سینہ کفنی کے اوپر لاکر رکھیں۔ اس کے اوپر اوڑھنی سر سے اڑھا کر بغیر لپیٹے منہ پر ڈالدیں پھر تہہ بند اور اس پر چادر بدستور لپیٹیں اور چادر اس طرح دونوں طرف باندھ دیں۔" ان سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ناف بدن تک باندھیں اسی طرح اور بہت سی کتابوں میں ہے اگرچہ بعض کتابوں میں چادر کے نیچے باندھنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے مگر صحیح وقابل اعتماد یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: قاضی عبدالرحیم بستوی غفرلہ ۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

دارالافتاء منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

(بقیہ صفحہ ۵۱؍کا ملاحظہ کریں)

اور نشست وبرخاست کا طریقہ بھی عطا کیا فرماتے ہیں "اس کی پائنتی کی طرف جائے کہ اس کی نگاہ کے سامنے ہو سرہانہ سے نہ کرے کہ اس کو سر اٹھا کر دیکھنا پڑے اور سلام وایصال ثواب میں دیر کرنا چاہتا ہے تو ارد گرد قبر کے بیٹھ جائے اور پڑھتا رہے یا ولی اللہ فیض حاصل کرے (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۱۶۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تمام مزارات کے تعلق سوالات واعتراضات کے جوابات بہت ہی اچھے انداز میں نقل فرمائے اور اپنی تحریر کو عوام وخواص کے سامنے پیش کیا وقت صرف اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ان کی تعلیمات اور کتب امام احمد رضا کو خوب سمجھ کر پڑھا جائے تاکہ آج پیدا ہونے والے تمام شبہات ختم ہوسکیں۔ امام احمد رضا نے جس نہج پر خانقاہوں کی حفاظت کی ہے ایک زمانہ اس کا قائل ہے لیکن افسوس صد افسوس آج غیروں سے زیادہ اپنے لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ بغض وعناد کی بنیاد پر احسان فراموشی کا زمانہ ہے حالانکہ تمام خانقاہ والوں کو احسان عظیم ماننا چاہئے تھا لیکن حسد کی وجہ سے ان پر آج خود ہی یہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا۔ علم تو حاصل کیا نہیں کتابیں پڑھنا چاہتے نہیں جو زبان پر آیا وہی لوگوں کے سامنے پیش کرکے گمراہ کرتے ہیں دیکھئے امام احمد رضا نے خواجہ غریب نواز کے تعلق سے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ احسن الدعا لا داب الدعا۔ مولف حضرت مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی کی شرح کرتے ہوئے ذیل المدعا فی احسن الوعا میں امام احمد رضا بریلوی رقم طراز ہیں کہ وہ چالیس مقامات جہاں دعا قبول ہوتی ہے ان میں ایک مزار خواجہ غریب نواز اجمیری بھی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ سی ونہم ۳۹۔ مرقد مبارک حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین چشتی قدس سرہ (صفحہ ۵۹ احسن الوعاء مع شرحہ ذیل المدعا مطبوعہ مکتبۃ المدینۃ کراچی) وہ چالیس مقامات مقدسہ جہاں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں ان کا نمبر وار ذکر کیا محبوبان خدا کی بارگاہیں خانقاہی آرام گاہ ہیں یہ کس قدر شان کی بات آپ نے خواجہ غریب نواز کے تعلق سے فرمائی یہ تو اہل علم ہی جانتے ہیں جاہل کیا جانیں حق تو یہ تھا کہ امام اہلسنت کا شکریہ ادا کرتے تمام خانقاہ والے۔ اسلئے کہ پھول چڑھانا چادر چڑھانا چراغ جلانا سب کو امام احمد رضا نے ثابت کیا مخالفین کا دنداں شکن جواب لیکن آج جاہل پیر بجائے احسان ماننے کے اعتراض کا منہ کھولتے ہیں ان تمام خانقاہ والوں کو جو لوگ عقیدت و محبت پیش کرتے ہیں یہ سب میرے امام کی جانفشانی کا ثمرہ ہے اصل بات یہ ہے کہ خانقاہوں میں آج علم وعمل کا فقدان ہو چکا ہے عیش و آرام کو پسند کرنے والے علم وعمل سے دور رہنے والے اعلیٰ حضرت کا مرتبہ کیا جانیں اس لئے آج خانقاہوں میں غلط رسوم ہو رہی ہیں اگر امام احمد رضا کے مسلک کے مطابق خانقاہوں میں عمل ہونے لگے تو آج بھی شریعت کی پاسبانی وہ لوگ کرسکیں گے۔ غرض کہ امام احمد رضا نے مسائل تصوف، معمولات اہلسنت، معمولات خانقاہ، رسوم خانقاہ، بیعت وارشاد، اور اصول پیری ومریدی جہاں ایک طرف دلائل سے ثابت کیا تو وہیں دوسری طرف راہ پا جانے والی رسموں کی اصلاح بھی فرمائی۔ اس طرح آپ نے اپنے فتاویٰ کے ذریعہ خانقاہوں کو تحفظ فراہم کیا۔

حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی کی

حیات مبارکہ کے چند نمایاں گوشے

از: امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ، یوپی

امام سلسلہ برکاتیہ، صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی علیہ الرحمہ علوم وحکمت، معرفت وروحانیت اور رشد وھدایت کے اس عظیم تاجور کا نام ہے کہ جن کے مقدس آستانہ پر جبیں سائی کرکے نہ جانے کتنے کج کلاہ حضرات کی دنیا وآخرت کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہوگئی۔ان کا یہی وہ مقدس آستانہ ہے کہ جو آج سلسلہ قادریہ کے فروغ کا اہم ذریعہ اور عظیم ہیڈ کوارٹر بنا اسی مقدس آستانہ کو آج لوگ ''خانقاہ برکاتیہ'' اور ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے پیرخانہ'' کے نام سے جانتے ہیں۔ چونکہ آپ کا وصال ''۱۰ رمحرم الحرام'' کو ہوا لہٰذا اس مناسبت سے محرم الحرام کے شمارے میں مخدوم گرامی وقار پیر طریقت امین ملت حضرت ڈاکٹر سید شاہ امین میاں قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا حضرت صاحب البرکات علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ پر تحریر کردہ یہ مضمون قارئین ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے ذوق مطالعہ کی نظر کیا جارہا ہے۔(محمد سلیم بریلوی)

صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کے اہم بزرگوں میں ہوتا ہے۔گنگا اور جمنا کی لہروں کے بیچ برج کے اس تہذیبی علاقے میں رشد و ہدایت کا سبق دینے والا کوئی صوفی بزرگ حضرت شاہ برکت اللہ کی قامت کو نہیں پہنچتا۔

ولادت: آپ سید شاہ اویس کے بڑے صاحبزادے تھے۔آپ کی ولادت ۲۶ر جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ کو بلگرام میں ہوئی۔آپ کا سلسلۂ نسب سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

بچپن کا زمانہ اپنے والد ماجد سید اویس اور دیگر بزرگان خاندان کے آغوش تربیت میں گزارا۔سید شاہ برکت اللہ کے والد ماجد نے اپنے وصال (۲۰ رجب ۱۰۹۷ھ) سے پہلے شاہ صاحب کو سجادہ نشینی اور سلاسلِ آبائی قدیم چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی۔مگر چونکہ ظرف عالی تھا، لہذا شاہ صاحب نے سید مربی بن سید عبد النبی، سید غلام مصطفےٰ بن سید فیروز اور سید شاہ لطف اللہ بلگرامی سے بھی اجازت وخلافت پائی اور ان سے اکتساب فیض وبرکت فرمایا۔

صاحب البرکات کا خطاب: حضرت شاہ برکت اللہ کو حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑا عشق تھا اور اس دور میں کالپی شریف ضلع جالون کی سرزمین پر مشہور زمانہ بزرگ حضرت سید شاہ فضل اللہ ترمذی مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت شاہ برکت اللہ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد مارہرہ تشریف لا چکے تھے۔کالپی کے مشائخ سے غائبانہ عقیدت روز افزوں تھی۔لہذا انہوں نے کالپی شریف کا سفر کیا حضرت سید شاہ فضل اللہ ترمذی کالپوی سے اجازت وخلافت سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ نقشبندیہ، ابو العلائیہ حاصل کی اور صاحب البرکات کا خطاب پایا۔

عقد: حضرت شاہ برکت اللہ علیہ الرحمہ کا عقد سید مودود بلگرامی بن سید محمد فاضل بلگرامی کی صاحبزادی وافیہ بی بی سے ہوا۔ان سے دو صاحبزادے سید آل محمد اور شاہ نجات اللہ۔اور تین صاحبزادیاں پیدا

ہوئیں۔ پہلی صاحبزادی بی بی بدھن کا عقد سید شاہ لطف اللہ کے صاحبزادے سید نورالحق سے ہوا۔ دوسری صاحبزادی ننھی بی بی کا عقد سید عزیز اللہ بن سید غلام محمد سے ہوا۔ اور تیسری صاحبزادی کا عقد سید امان بن سید جان محمد سے ہوا۔

بلگرام سے ہجرت: حضرت سید شاہ برکت اللہ کے بلگرام سے مارہرہ ہجرت کرنے کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہوسکا البتہ یہ طے ہے کہ آپ نے ۱۰۹۷ھ کے بعد بلگرام کی سکونت ترک فرمادی اور مارہرہ کو مسکن بنایا۔ شاہ برکت اللہ کے دادا میر سید عبدالجلیل (متوفی ۱۰۵۷ھ) مارہرہ کو اپنا وطن بنا چکے تھے۔ شاہ صاحب نے مارہرہ میں اپنے دادا کی خانقاہ میں قیام فرمایا مگر ایک شریر گوندل کی ہمسائیگی پسند نہ فرما کر ۱۱۱۸ھ میں قصبہ سے باہر جدید آبادی کی بنیاد ڈالی اور مسجد و خانقاہ تعمیر فرمائی۔ اس جدید آبادی کا نام ''پیم نگر برکات نگری'' رکھا جواب میاں کی بستی کے نام سے موسوم ہے۔

وصال: حضرت سید شاہ برکت اللہ کا وصال شب عاشورہ محرم الحرام ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء کو مارہرہ میں ہوا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں تاریخ وصال یوں لکھی ہے ؎

تاریخ وصال او خرد کرد رقم
صاحب برکات واصل منزل قدس

ایک اور تاریخ وصال علامہ آزاد بلگرامی نے اس مصرع سے نکالی

فنافی اللہ شد آں پیر محرم
۱۱۴۲ھ

نواب محمد خاں بنگش مظفر جنگ نے شجاعت خاں ناظم کے زیر اہتمام حضرت شاہ برکت اللہ علیہ الرحمہ کا روضہ تعمیر کرایا جواب درگاہ شاہ برکت اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

علمی کارنامے: حضرت سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمہ کا دور علوم وفنون کی ترقی کے لئے بے حد سازگار تھا۔ شہنشاہ وقت اورنگ زیب علیہ الرحمہ کو اسلامی علوم سے بے حد دلچسپی تھی۔ ان کے حکم سے فقہ اسلامی کی مشہور کتاب ''فتاویٰ عالم گیری'' مرتب کی گئی جو عرب ممالک میں فتاویٰ ہندیہ سے مشہور ہے۔

شاہ صاحب کا بلگرام کے اس خطۂ پاک سے تعلق تھا جہاں علمائے ظاہر اور علمائے باطن کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اور اس دور میں اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے والد اور دیگر اساتذہ سے قرآن وحدیث، فقہ ومنطق اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ عربی فارسی اور سنسکرت کے کلاسیکی ادب کا بھی مطالعہ کیا۔ شاہ صاحب نے گیتا وید، اپنشد اور ہندو فلسفہ کو بہت اچھی طرح سمجھا۔ اور یہ ضروری بھی تھا کیونکہ تبلیغ کے لئے دوسرے مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف سے ان کی علمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

تصانیف: کتاب ''خاندان برکات'' کے مصنف تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاہ صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف بتائی ہیں۔

(۱) رسالہ چہار انواع (۲) رسالہ سوال وجواب (۳) عوارف ہندی (۴) دیوان عشقی (۵) پیم پرکاش (۶) ترجیع بند (۷) مثنوی ریاض العاشقین (۸) وصیت نامہ (۹) بیاض باطن (۱۰) بیاض ظاہر (۱۱) رسالہ تکسیر

آپ کے ہندی دیوان ''پیم پرکاش'' کے تفصیلی مطالعہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری تصنیف ''شاہ برکت اللہ'' ملاحظہ ہو۔

آپ کے خلفاء: آپ کے خلیفۂ خاص آپ کے بڑے صاحبزادے سید آل محمد ہوئے جن کے ذریعہ مارہرہ مطہرہ سے سلسلۂ برکاتیہ جاری ہے۔ بعض دیگر خلفاء آپ کے یہ ہیں۔

(۱) شاہ عبداللہ: یہ مارہرہ کے رہنے والے تھے۔ اور قوم کے کنبوہ تھے۔ ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ ان کا تخلص پنچھی تھا۔

(۲) شاہ میم: یہ دکن کے باشندہ تھے۔ دکن سے دہلی آئے فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ۱۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۳) شاہ مشتاق البرکات: یہ شاہ برکت اللہ کے نہایت باکمال خلیفہ تھے۔ ۱۱ر صفر ۱۱۶۷ھ کو انتقال ہوا

(۴) **شاہ من اللہ:** ان کا نام علی شیر خاں تھا۔ یہ شاہجہانپور کے رہنے والے تھے۔۱۱۷۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۵) **شاہ راجو:** یہ بلگرام کے رہنے والے تھے اور سید ابو الفرح کی اولاد میں سے تھے۔ان کا انتقال ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔

(۶) **شاہ ہدایت اللہ:** یہ کراولی ایٹہ کے باشندے تھے۔۱۱۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۷) **شاہ روح اللہ:** ان کا نام محمد مسعود تھا۔نواب خیر اندیش خاں عالمگیری کے خاندان سے تھے۔ فارسی اور ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ فارسی میں دیوانہ اور ہندی میں جان تخلص تھا۔ ۱۱۷۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۸) **شاہ عاجز:** یہ مارہرہ کے باشندے تھے۔اورقوم کے کنبوہ تھے۔ اصل نام محمد معظم تھا۔

(۹) **شاہ نظر:** ان کا انتقال ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔

(۱۰) **شاہ صابر:** ان کا نام غلام علی تھا۔ یہ مارہرہ کے رہنے والے تھے، ان کا نتقال ۱۱۶۷ میں ہوا۔

(۱۱) **شاہ جمیعت:** مارہرہ کے رہنے والے کنبوہ تھے۔

(۱۲) **حسین بیراگی:** یہ قوم کے سنار تھے اور ہندی میں شاعری کرتے تھے۔

(۱۳) **شاہ صادق:** حضرت شاہ برکت اللہ کے یہ چہیتے خلیفہ تھے۔ قصبہ بھرگین ضلع ایٹہ میں انتقال ہوا۔اور وہیں مزار ہے۔ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے خلیفہ تھے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)(ماخوذ از فتاویٰ برکاتیہ)

(صفحہ ۴۵ رکا بقیہ)

یہ تھی وہ آواز جس نے آگ کو پانی بنادیا۔ جو مرنے والے تھے وہ جِلا دیئے گئے جو ختم ہو گئے تھے انہیں رحمت دو عالم سرکار مدینہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت اور زبان مبارک کی ایک معمولی جنبش نے از سرِ نو زندگی بخشی ۔آپ کی حیات مقدسہ کا یہ کوئی انوکھا اور نرالا واقعہ نہ تھا۔آپ تو دونوں جہان کے لئے رحمت للعالمین بنائے گئے تھے اور پیار ہی پیار لے کر آئے تھے۔ بچوں کیلئے پیار، بوڑھوں کیلئے پیار، جاندار اور بیجان کیلئے پیار، یہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اسے آپ مبالغہ نہ سمجھیں یہ سب کھلی ہوئی حقیقتیں ہیں جنکو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ ذرا غور تو کیجئے کہ لڑائی میں کبھی رحم کی گنجائش ہوتی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر فاتح نے ہر زمانے میں اپنی مفتوحہ اقوام پر طرح طرح کے ظلم کئے ہیں دوران جنگ اپنے مقابل کو نیست و نابود کرنے کے علاوہ انہوں نے نہ ان کے بوڑھوں پر رحم کھایا اور نہ بچوں وعورتوں کو چھوڑا ہے ہرے بھرے لہلہاتے کھیت اجاڑے، درخت کاٹے، پانی کو زہر آلود کیا غرضیکہ ہر طرح رگ حیات کو منقطع کرنے کی کوشش کی اور آج بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ان سے ہو رہا ہے جو اپنے کو تہذیب وشائستگی کا علم بردار سمجھتے ہیں لیکن آیئے ذرا چودہ سو برس پہلے کی طرف آیئے اور دیکھئے بتانے والے نے بتایا اور اس پر عمل کرکے دکھایا کہ رحم کی گنجائش ہر جگہ ہے، لڑائی میں بھی رحم سے کام لیا جاسکتا ہے فتح مکہ کے واقعات پر نظر ڈالئے آپ کو میری بات کا یقین ہوجائے گا۔

یہ مکہ تو وہی مکہ ہے جہاں ہمارے پیارے نبی ﷺ سے سب کچھ چھینا گیا، پانی چھینا گیا، گھر چھینا گیا، در چھینا گیا اور آخر میں جینے کا حق بھی چھینا گیا۔اسی مکہ میں آپ داخل ہوتے ہیں۔ چمکتی ہوئی تلواروں کے ساتھ کھینچی ہوئی کمانوں کے ساتھ اور تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔لیکن لیتے ہوئے نہیں دیتے ہوئے۔ اکڑتے ہوئے نہیں جھکے ہوئے۔ بدلہ چکاتے ہوئے نہیں بلکہ رحم وکرم امن وامان کے پھول برساتے ہوئے۔ایسے سراپا رحمت نبی ﷺ پر جتنا لکھا جائے کم ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سرکار دو عالم سیدنا تاجدارِ مدینہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صدقہ میں اس کو قبول فرمائے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نور مبین کی روشنی سے حصہ عطا فرمائے اور ہماری زندگی حضور شہنشاہِ کونین کی سیرت طیبہ کے مطابق بنائے۔ آمین ثم آمین۔

عاشورا۔صبر و رضا کا بے مثال استعارہ

از: مرحوم سید اعجاز حسین صاحب رضوی سابق آڈیٹر دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف

۱۰ محرم الحرام کی تاریخ امت مسلمہ کو ہر سال صبر و رضا پر۔۔۔۔رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کرنے ،اسلامی اصولوں کی حفاضت وصیانت کے لئے اپنی قیمتی سے قیمتی شئی کو قربان کرنے کے جذبہ کو مہمیز کرنے ،مشکل سے مشکل وقت میں اصول شریعت ،ذکر واذکار اور عبادت و ریاضت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھنے اور باطل کے آگے کبھی نہ جھکنے کا پیغام لے ہر ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے ۔یہ مقدس تاریخ لہو ولعب ،بدعات وخرافات ،نفسانی خواہشات کی تسکین اور شیطانی کاموں کی تکمیل کا استعارہ نہیں بلکہ یہ تو بدعات وخرافات اور غیر شرعی رسوم ورواج کے خاتمہ کا حسین استعارہ ہے ۔میدان کربلا کے اسی عظیم ومقدس پیغام کو حضرت سید اعجاز حسین صاحب رضوی مرحوم (سابق آڈیٹر جامعہ رضویہ منظر اسلام) نے عمدہ انداز میں بیان کیا ہے ۔ان کا یہ مضمون ان ہی کی حیات میں ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے شمارہ جون ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا۔محرم الحرام کی مناسبت سے یہ مضمون دوبارہ شائع کیا جارہا ہے (محمد سلیم بریلوی)

عاشورے کو جب راکب دوش رسول واصل بحق ہوگئے اور لشکر یزید مطمئن ہوگیا کہ کلمۃ الحق کا بلند کرنے والا نہ رہا۔ابھی سوگوارانِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کی نعش پاک پر گریہ وزاری نہ کرنے پائے تھے کہ ظالموں کا ظلم صابروں اور شاکروں کی آزمائش میں اور وسیع ہوا۔ الفاظ میں وسعت کہاں کہ تصویر کشی کی جاسکے میدان کربلا کا منظر قیامت خیز اور درد انگیز تھا چند بیوائیں اور بچے تھے۔صرف تصور سے اس جانکاہ وقت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔اللہ اکبر! کیا گزر گئی ہوگی ان ننھے ننھے بچوں پر اور مخدرات عصمت مآب پر۔

سید الشہداء فرزند رسالت شمع امامت تین دن کے بھوکے اور پیاسے شمر ناہنجار کے کند خنجر سے شہید کئے گئے عقل کی رسائی اتنی کہاں کہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ آخر وہ صبر کی کون سی بلند منزل تھی۔ بد شعاروں نے اہل بیت اطہار کے خیموں کو جلانا شروع کردیا۔سید انیوں کو بے پردہ کر کے قرآن پاک کی آیۂ تطہیر کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔اور ان مظلومان ستم رسیدہ افراد کے لبوں کو جنبش فریاد تک نہ ہوئی۔مگر یہ نہ معلوم تھا کہ ناتوان بیمار فرزند امام ابھی بستر علالت پر جلوہ گر ہے۔

ادھر عابد بیمار آزمائش الٰہی میں مصروف۔ادھر نانا جان کے نام لیوا۔ روز محشر شفاعت کے طلبگاران کیلئے ہاتھوں میں طوق اور بیڑیوں کا بار عظیم لئے موجود۔اللہ اکبر! کیا قیامت خیز منظر ہوگا جو آج ۱۴ رسو سال کے بعد بھی دل کو پاش پاش کردیتا ہے۔ادھر اہلبیت مطہرات اور یتیموں پر ظلم۔ادھر حضرت سکینہ کے منہ پر ظالم کا طمانچہ سکینہ کے کانوں سے لہو رواں۔سب کیلئے دار ورسن تیار۔چھوٹے بڑے رسی سے باندھ کر قید کئے جارہے ہیں۔اور خود بھی طوق اور بیڑی سے آراستہ ہوکر سردار قافلہ بنائے گئے ہیں۔ نقاہت سے قدم لغزش کھارہے ہیں مگر ظالم کا ظلم قدم بڑھانے پر مجبور کردیتا ہے۔ادھر خاتون جنت سوگوار جنت سے بیٹے کی نعش پر تشریف فرما ہیں۔ بیٹے کے بازو رسن سے بندھے ہوئے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ اے اللہ! تو نے آج میرے حسین کو بھوک اور پیاس میں بھی آزما لیا اور میرے چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں اور بیواؤں کو آزمارہا ہے۔ اے اللہ تو انہیں ثابت قدم رکھنا کہ تیرے نبی کی اولاد ہیں۔ادھر عرش اعظم پر نانا جان اور بابا جان پریشان وغمزدہ کہ آج میرا حسین اور اس

کی اولاد خون میں لہولہان بارگاہ الٰہی میں آرہی ہے اُدھر مالک کون و مکان نے جنتوں کو آراستہ کرنے کا اور فرشتوں کو پیشوائی کا حکم دیا ہے۔ کہ میرے محبوب کی اولاد میرے حکم کی تعمیل کر کے دادخواہی کیلئے آرہی ہے۔ جائے ادب ہے ایسا نہ ہو کہ جس طرح شیطان حکم عدولی سے راندہ درگاہ ہوا کوئی اور بھی ہو جائے۔ میرا حسین قرآن ناطق ہے۔ راکب دوش رسول ہے۔ سردار جوانان جنت ہے جس کو ہم نے بے حد شرف بخشا ہے اور کیوں نہ ہو جس کا نانا شافع محشر۔ بابا ساقی کوثر۔ ماں خاتون جنت ہو کیوں نہ وہ سردار جنت ہو جس نے اپنے سامنے ہماری راہ میں اپنے ساتھیوں اپنے عزیز و اقرباء کو بھوک اور پیاس میں شہادت کیلئے پیش کر کے اف نہ کی ہو۔ جس کی کمر اٹھارہ سالہ جوان بیٹے کی نعش اٹھانے سے خمیدہ ہوگئی ہو۔ جس کے چھ ماہ کے بچے نے گود میں تیر کھا کر مسکراتے ہوئے جان دیدی ہو۔ حسین کی اولاد رحمۃ للعالمین کے سایہ میں پلی اللہ و رسول کے احکام پر عمل کرنے والی سب کچھ جانتی تھی مگر جنتوں کو آراستہ ہوتے دیکھ کر شکر خالق سے مسرور تھی کہ آج ہمارے نانا اور بابا اور بڑے چھوٹے جو کربلا میں شہید ہوگئے خلد میں منتظر ہیں۔ پھر بھی اپنے عمل سے دنیا والوں کو سبق دے رہے ہیں کہ سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔ تکلیف برداشت کی جا سکتی ہے۔ اولاد کو بھوکا پیاسا راہ خدا میں قربان کیا جا سکتا ہے۔ مگر اللہ و رسول کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا کبیر ہو یا صغیر، اٹھارہ سالہ ہو یا ششماہہ اولاد نبی کا ہر فرد قرآن ناطق ہے۔ جو راہ عمل بتا رہا ہے اور بتا تا رہے گا اولاد رسول ہماری آج بھی معاون ہے اور انشاء اللہ روز محشر بھی معاون ہوگی۔ اولاد پیغمبر کے دشمنو! تم کس منہ سے حوض کوثر پر حسین کے باپ سے پیالہ کوثر مانگو گے جبکہ تم خوب جانتے تھے۔ کہ یہ نواسۂ رسول ہے۔ ہم ان کا کلمہ پڑھتے ہیں پھر بھی خشک گلے پر خنجر چلا دیا۔ وہ نہر فرات جو زمانے کو سیراب کر رہی تھی۔ مگر تم نے اولاد رسول کو پانی کا قطرہ نہ لینے دیا۔ نبی کے مہ پارے ادب کے گہوارے جانتے تھے کہ یہ ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے۔ ہماری آزمائش کی جا رہی ہے۔ اور اس آزمائش اور اس ایثار و قربانی کیلئے اللہ و رسول کی خوشنودی اور ان کے احکام کو پامال نہ کرنے کیلئے سب کچھ بخوشی خاطر قبول کر لیا تھا۔ مگر افسوس صد افسوس خود کو مسلمان کہلانے والے اللہ و رسول کی مخالفت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور آج بھی ان کے دشمنوں کے دل میں اسی پرانی عداوت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حسین کے نام پر شربت نہ بناؤ۔ کھچڑا نہ پکاؤ۔ ان کی نیاز نہ دلاؤ۔ کوئی تخت و تعزیہ دکھانے میں اپنی مستورات کو لئے غیر مردوں میں موجود ہے۔ کوئی یزید کی تقلید میں مست۔ کوئی شب عاشورا کو قہقہے لگانے میں بدمست۔ مسلمانو! خدا کیلئے غور تو کرو کہ عاشورے کی رات کیا ہے۔ یہ وہ رات ہے کہ جس کو اب سے چودہ سو سال قبل امام اور رفقائے امام نے عبادت الٰہی میں گزارا تھا تمام شب نوافل پڑھنے میں بسر کر دی تھی۔ خیمے تلاوت قرآن کی آوازوں سے گونج رہے تھے۔ اظہار شکر گزاری کیلئے وہاں سجدے کئے جا رہے تھے۔ راہ الٰہی میں قربان ہونے کیلئے ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ صبر و شکر کی التجائیں کی جا رہی تھیں۔ اور اسی رات میں دوسری یزید ناپاک کے لشکروں میں شراب و کباب کا دور دورہ تھا قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ تلواروں اور نیزوں کو سان پر تیز کیا جا رہا تھا۔ امام اور رفقائے امام کے گلوں کو اپنی تلواروں اور نیزوں کا نشانہ بنانے کیلئے باجے بج رہے تھے۔ ڈھول اور تاشوں کی آوازوں سے رفقا کا سینا مجروح کیا جا رہا تھا۔ شامیوں کا لشکر رعونت و بدمستی میں غرق تھا۔ تم دیکھو اور فیصلہ کرو کہ تم آج یزید کی تقلید کر رہے ہو یا آل نبی کی؟ اگر تم اولاد نبی کے جانثار ہو تو تم کو چاہئے کہ شب عاشورا عبادت مین مشغول ہو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہو جو تمہاری دین و دنیا میں نجات کا سبب ہو۔ آمین۔

(موخوذ از ماہنامہ اعلیٰ حضرت شمارہ جون ۱۹۶۵ ص ۱۹/۲۰)

حافظ الملک حافظ رحمت خان کا مختصر تذکرہ

از: مولانا صادق رضا مصباحی نزیل حال، ممبئی۔ موبائل 09619034199

حافظ الملک کی ولادت: ۱۸۵۷ کے انقلاب سے پہلے جن مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف زبردست عملی جہاد کرکے ہندوستان کی آزادی کا راستہ ہموار کیا ان میں ایک اہم اور معتبر نام حافظ الملک حافظ رحمت خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ کی ولادت قندھار افغانستان میں ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ء میں ''روہ'' نام کے ایک مقام پر ہوئی۔ چند برس کی عمر میں بسم اللہ خوانی ہوئی اور صرف بارہ سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے۔ اس کے بعد دین کی ضروری ضروری معلومات حاصل کیں، مذہب کے ایک معتدبہ حصے پر اپنی پکڑ مضبوط کرلی، خصوصاً علم فقہ میں عبور حاصل کیا اور اپنے فضل وکمال اور عمدہ عادات واطوار کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں اپنا ایک اہم مقام بنالیا۔

حافظ رحمت خاں کا تعلق قندھار کے اسی بڑھیچ قبیلے سے تھا۔ کہ جس سے امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت اور ان کے اجداد کرام کا تعلق تھا۔ آپ کے والد گرامی کا نام شاہ عالم خان ہے۔ یہ شاہ جہاں کے عہد حکومت سے ہی ہندوستان آتے رہتے تھے۔ ان کے ایک غلام یا منہ بولے بیٹے داؤد خان ایک مرتبہ افغانستان سے ہندوستان آئے اور معرکہ آرائی کے بعد ''کٹھیر'' کے کچھ علاقوں کو فتح کرکے اس کے جز وکل کے مالک بن بیٹھے۔ یہ کٹھیر وہی علاقہ ہے جو آج روہیل کھنڈ کے نام سے موسوم ہے (یہ روہیل کھنڈ، اترپردیش میں ہے اس علاقے میں بریلی، رامپور، پیلی بھیت اور شاہجہاں پور شامل ہیں)۔ اپنے غلام کی فتح وکامرانی کی خبریں سن کر اس سے ملاقات کی تمنا دل میں سجائے شاہ عالم خان کٹھیر میں آئے لیکن داؤد خان نے غداری کی اور ان کو قتل کرادیا۔ یہ واقعہ ۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۱ء یا ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۳ء کو پیش آیا۔

حافظ الملک کی ہندوستان میں آمد: داؤد خان کو کٹھیر (روہیل کھنڈ) پر حکمرانی کے دوران کسی جنگ میں ایک حسین وجمیل لڑکا ملا جو مدمقابل کے لشکر سے قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔ داؤد خان چونکہ اولاد سے محروم تھا اس لیے اس کو اپنا بیٹا بنالیا۔ اس کو اچھی تربیت دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس کا نام علی محمد خان رکھا۔ داؤد خان کے مرنے کے بعد متفقہ طور پر اس کو جانشین مقرر کردیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس لڑکے (علی محمد خان) نے یہ محسوس کیا کہ اکثر روہیلے میرے غلام ہونے کے سبب میری اطاعت سے کتراتے ہیں تو اس نے اپنے مشیروں سے صلاح ومشورہ کرکے حافظ رحمت خان کے پاس متواتر خطوط بھیج کر ان کو ہندوستان بلالیا۔ اس طرح حافظ الملک حافظ رحمت خاں کا ہندوستان میں ورود ہوا۔ حافظ الملک بہت دنوں تک علی محمد خاں کی صحبت میں کام کرتے رہے اور حکومت کو ترقی دینے میں بہت اہم رول ادا کیا۔ اپنی وفاداری وجاں نثاری اور بے مثال شجاعت وشہامت کے ذریعے آپ علی محمد خاں کے بہت معتمد بن گئے۔ حافظ الملک کی ان خوبیوں کو دیکھ کر علی محمد خاں نے آپ کو اپنا جانشین منتخب کرلیا لیکن حافظ الملک نے اپنی جانشینی کو علی محمد خاں کے بیٹے سعد اللہ خاں کی حق تلفی سمجھا اور بڑے خلوص وایثار کے ساتھ یہ عہدہ ان کی طرف منتقل کردیا۔ علی محمد خاں کے فیض اللہ خاں اور عبداللہ خاں نام کے دو بیٹے اور تھے جو افغانستان میں رہتے تھے جب وہ ہندوستان واپس ہوئے تو عہدے کے حصول کے لیے ان

تینوں بھائیوں کے درمیان بڑا اختلاف ہوا بالآخر علی محمد خاں کو اپنے صاحب زادوں اور دوسرے سردارانِ کٹھیر (روہیل کھنڈ) کے درمیان روہیل کھنڈ کو تقسیم کرنا پڑا جس میں سے بریلی اور شاہ جہاں پور وغیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے حصے میں آئے۔

حافظ الملک کی انگریز دشمنی: حافظ الملک اپنے عہد میں اپنی شجاعت وشہامت، جرأت وہمت اور جوش وجذبے کی بنیاد پر ملک دشمن طاقتوں کے لیے آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔ مرہٹوں سے جنگ کے درمیان احمد شاہ درانی کے دست وبازو کی حیثیت رکھتے تھے۔ مختلف علاقوں اور صوبوں کے سرداروں کی وقتاً فوقتاً فوجی اعانت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۷۶۴ء میں شجاع الدولہ پٹنہ میں انگریزوں سے نبرد آزما تھا اس نے حافظ الملک سے امداد طلب کی تو انہوں نے اپنے بیٹے عنایت خاں کی سرکردگی میں ۶ ہزار آزمودہ کار فوجی روانہ کیے جنہوں نے ۱۳ جنوری ۱۷۶۱ میں پانی پت جنگ میں شرکت کر کے شجاع الدولہ کی مدد کی لیکن جنگ کے بعد شجاع الدولہ نے عنایت خاں کے خلاف کچھ سازشیں رچیں جس کی وجہ سے عنایت خاں اپنی فوج کے ساتھ اس سے جدا ہو گئے۔ جدائیگی کے بعد شجاع الدولہ کو اپنی کمزور طاقت کا احساس ہوا۔ اتنی کم طاقت سے وہ انگریزوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اسے فوجی اعانت کی بہت سخت ضرورت تھی اس نازک گھڑی میں بھی حافظ الملک نے اس کی گزشتہ غداری اور بے وفائی کو فراموش کر کے اس کا ساتھ دیا۔

حافظ الملک دراصل انگریزوں کے بہت سخت دشمن تھے۔ وہ احمد شاہ ابدالی کی مدد سے انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنا چاہتے تھے۔ آپ کی انگریز دشمنی کا شہرہ دور دور تک ہو چکا تھا اس لیے انگریز ان کو زیر کرنے کی فراق میں تھے لیکن حافظ الملک کے عزائم کی صلابت، حوصلوں کی توانائی اور بے مثل شجاعت وبسالت اور پھر نصرت خداوندی کی بنا پر اب تک انگریز اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکے تھے۔ آخر کار انہوں نے منظّم سازش کے تحت شجاع الدولہ کو اپنا ہم نوا بنایا اور اس کام کے لیے شجاع الدولہ کو معین کیا۔ اس نے انگریزوں کا حلیف بن کر حافظ الملک کی ساری وفاداریوں کو فراموش کر کے پہلے تو سردارانِ روہیل کھنڈ کو حافظ الملک کے خلاف برگشتہ کیا اور پھر ان پر تقریباً ایک لاکھ پندرہ ہزار فوج لے کر چڑھائی کر دی۔

حافظ الملک کی شہادت: جنگ شروع ہونے سے پہلے حافظ الملک نے صلح جوئی کی بہت کوشش کی لیکن انگریز اور شجاع الدولہ آپ کی جان کے در پے تھے اس لیے یہ کوشش بے سود گئی۔ آخر میں مجبور ہو کر شہادت کی آرزو لیے جنگ کے لیے نکل پڑے۔ آپ کی فوج کے بعض سرداروں نے بھی صلح کی کوشش کی لیکن آپ کے شوقِ شہادت نے آپ کو مہمیز کیا اور آپ نے اپنے فوجیوں کے سامنے فرمایا:

''شہادت میرے دل کی آرزو ہے اپنے ملک کی حفاظت میں ایسی عزت کی موت مجھے پھر کب آئے گی'' میدان جنگ میں قدم رکھتے ہی حافظ الملک نے اپنی دلیری اور بہادری کے جوہر دکھانے شروع کر دیے۔ وہ انگریزوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے شجاع الدولہ تک پہنچنا چاہتے تھے لیکن انگریزی فوج نے اپنی توپ کا دہانہ کھول دیا اور گولہ باری شروع ہوگئی۔ عین اسی وقت آپ کے حلیف چند روہیلہ سرداروں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر پوری فوج منتشر ہوگئی اور حافظ الملک کے پاس بہت کم فوجی رہ گئے لیکن پھر بھی حافظ الملک نہایت جرأت وہمت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ آخر کار ایک گولہ ان کے سینے پر لگا اور فوراً ہی آپ کی روح آپ کے جسم کے پنجرے سے آزاد ہوگئی۔ جنگ کرتے ہوئے حافظ الملک کی اس عظیم الشان شہادت کا واقعہ ۱۱ رصفر ۱۱۸۸ھ مطابق ۲۳ راپریل ۱۷۷۴ء میں میران پور کٹرہ میں پیش آیا۔ حافظ الملک کی شہادت کے بعد جب انگریزوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کیا تو اتنی بے دردی سے لوٹ مار مچائی کہ پوری زمین دہل اٹھی۔ پھر شجاع الدولہ کو

اس پورے علاقے کا حاکم بنادیا گویا یہ انگریز دوستی کا انعام تھا جو اسے دیا گیا۔

حافظ الملک کی خصوصیات: حافظ الملک ایک بے مثال فوجی ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفضل اور تقوی وطہارت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ زبردست ادیب وشاعر، بہترین حافظ قرآن اور علم پرور وعلم دوست تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فوج میں علماومشائخ کی بڑی تعداد تھی جو انگریزوں کے ساتھ برسرپیکار رہتی تھی۔ حافظ الملک نے انہیں علم وکمال کی بنیاد پر فوج میں اعلی عہدے دے رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ عبادت وریاضت، شجاعت وشہامت، جرأت وہمت اور شوقِ شہادت میں سلطان ٹیپو شہید کے بہت مشابہ تھے۔ آپ کے ساتھ ہمیشہ شریک جنگ رہنے والے علما میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ مولانا سید احمد شاہ، حضرت حافظ شاہ جمال اللہ، مولانا غلام جیلانی خاں بہادر، ملا سردار خاں کمال زئی، ملامحسن خاں امان زئی، سید معصوم شاہ، ملا برباز خاں، ملا عالم خاں، ملاحسن خاں، ملا عبدالواحد خاں اور قاضی محمد سعید خاں وغیرہ۔

حافظ الملک کی خدمات: حافظ الملک چونکہ علم وفن سے نہایت گہرا ذوق رکھتے تھے اس لیے کئی تصانیف آپ کی یادگار ہیں لیکن ان کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہیں بھی یا زمانے کی ستم ظریفی نے انہیں نگل لیا۔ حافظ الملک کی سب سے اہم یادگار جس نے ان کو زندہ وجاوید بنادیا ہے وہ پیلی بھیت شہر کی جامع مسجد ہے۔ جامع مسجد تعمیر فرما کر آپ نے دین کی بہت عظیم خدمت انجام دی ہے یہ جامع مسجد دہلی کی جامع مسجد سے بالکل مشابہ ہے۔ یہ جامع مسجد ۱۷۶۹ میں تعمیر کی گئی۔ یہ بات شاید کم لوگوں کے ذہن کا حصہ ہو کہ حافظ الملک نے ہی ۱۷۶۲ء میں پیلی بھیت کو آباد کیا تھا۔ گورنمنٹ کی طرف سے جاری شدہ Imperial Gazetteer of India کے مطابق اس کا پرانا نام حافظ رحمت خاں کے ہی اسم گرامی سے منسوب ''حافظ آباد'' ہے۔ بعد میں کسی وجہ سے پیلی بھیت ہوا۔ آپ نے یہاں ایک ادارہ بنام مدرسہ حافظ العلوم بھی قائم فرمایا تھا جو عرصے تک قائم رہا۔ یہ وہی مدرسہ ہے جس میں اپنے وقت کے عظیم محدث وعالم دین اور آبروئے پیلی بھیت حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۳۴ھ) نے بہت دنوں تک تدریس کی خدمات انجام دی ہیں۔ حافظ الملک نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مدارس قائم فرمائے جہاں تقریباً دوہزار علما وفضلا کا تقرر کیا۔ خوردونوش کے علاوہ ان کو سوروپیہ مشاہرہ بھی دیتے تھے۔ ان مدارس سے فارغ شدہ علما نے دین متین کی بہت ساری خدمات انجام دی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ حضرت حافظ رحمت خاں علیہ الرحمہ نے قومی یک جہتی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے پیلی بھیت کے مشہور ومعروف اور تاریخی ''گوری شنکر'' مندر کے مشرقی اور جنوبی دروازوں کی تعمیر بھی کرائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہر بریلی شریف کی مسجد بی بی جی جہاں آج دارالعلوم مظہر اسلام واقع ہے، اس مسجد کا نام حضرت حافظ الملک علیہ الرحمہ کی کسی رشتے دار خاتون کے نام سے ہی رکھا گیا ہے۔ حافظ الملک کا مزار مبارک محلّہ باقر گنج بریلی شریف میں واقع ہے۔ ان کی حیات وخدمات پر انگریزی اور اردو میں متعدد کتابیں اور مقالات لکھے گئے۔ ان کے صاحب زادے محمد مستجاب کے ذریعے لکھی گئی انگریزی کتاب THE LIFE OF HAFIZ UL MULK HAFIZ RAHMAT KHAN کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ الطاف علی بریلوی نے بھی ایک کتاب لکھی جو ۱۹۳۴ء میں غالباً کراچی سے شائع ہوئی۔

(بقیہ صفحہ ۴۹ر کا ملاحظہ کریں)

اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہے مسئلہ تقدیر بہت نازک ہے اس پر بحث ومباحثہ کرنا اپنے ایمان وعقائد کو خطرے میں ڈالنے کے مثل ہیں۔ رب کریم ہم سب کو سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین

جو جذب کے عالم میں نکلے لبِ مومن سے
وہی بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

مفتی اعظم راجستھان

گلشن امجدی اور گلشن نعیمی کے گل سرسبز

از: شہزادۂ محدث امروہوی جناب ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی امروہوی

مورخہ ۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۱۵؍اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز منگل مفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی اشفاق حسین نعیمی صاحب قبلہ کا آج وصال ہوگیا یہ سن کر میں نے فوراً کلمۂ ترجیع پڑھا اور اس انتقال پر ملال کی خبر شہزادۂ حضور صاحب سجادہ ولی عہد خانقاہ رضویہ حضرت مولانا الحاج محمد احسن رضا قادری مدظلہ کو دی۔ حضور صاحب سجادہ چونکہ زیارت حرمین طیبین کے لئے تشریف لے گئے تھے اس لئے حضرت نائب سجادہ کی سرپرستی میں خانقاہ شریف میں ایصال ثواب کی محفل منعقد ہوئی جس میں حضرت نائب سجادہ مدظلہ نے حضرت مفتی صاحب قبلہ کے لئے ایصال ثواب کیا اور ان کے وصال کو جماعت اہلسنت کے عظیم خسارہ سے تعبیر کیا۔ (محمد سلیم بریلوی)

کچھ شخصیات تاریخی ہوتی ہیں تو کچھ تاریخ ساز، لیکن معدود چند ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں عہد ساز اور عہد آفریں کہا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد ملت فاضل بریلی وعلیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات والا صفات ایسی ہی تھی۔ بلاشبہ انہوں نے وقت کے طوفان بلا خیز کا نہ صرف پامردی سے مقابلہ کیا بلکہ اس کا رخ موڑ دینے میں بھی کامیاب رہے۔ ان سے جو حضرات وابستہ ہوئے وہ بھی تاریخ ساز ثابت ہوئے۔ ان میں سے دو عظیم الشان شخصیات حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی قادری رضوی اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، اعلیٰ حضرت کے یمین و یسار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دونوں نے دین وملت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور دونوں کے ہی شاگردوں کا ایسا وسیع و ہمہ گیر سلسلہ قائم ہوا کہ آج اہلسنت کے نوے فیصد سے زائد علماء انہیں دونوں حضرات کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔ خصوصا خانوادۂ امجدی کے وابستگان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی زیادہ توجہ درس وتدریس کی طرف رہی۔ آپ عالم گر تھے۔ وہ اپنے طلبہ کو جید عالم بنانے میں زیادہ یقین رکھتے تھے اور اس کام کو زیادہ مفید سمجھتے تھے۔ جبکہ حضرت صدر الافاضل کی توجہ آریہ سماجیوں اور بدمذہبوں سے مناظرے کی طرف زیادہ رہی۔ مرادآباد میں جامعہ نعیمہ کے قیام اور اس کی ترقی کیلئے ہمہ وقتی کوششوں نے بھی آپ کو بہت مصروف رکھا۔ بہر حال دونوں ہی بزرگوں نے رضوی سلسلے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں زبردست کردار ادا کیا۔ جس طرح چشتی سلسلہ اپنی دو شاخوں چشتی صابری اور چشتی نظامی کی شکل میں بہت پھلا پھولا اسی طرح رضوی سلسلہ کو امجدی اور نعیمی شاخوں نے چار چاند لگائے اور اسے دور دور تک پھیلا دیا۔

اس مقالے میں دونوں خانوادوں کے دو عظیم المرتبت عالموں بقیۃ السلف رئیس الاتقیاء حضرت مولانا حافظ محمد مبین الدین فاروقی رضوی امجدی اور مفتی اعظم راجستھان اشفاق العلماء حضرت مولانا اشفاق حسین اجملی نعیمی کے تذکرے اور باہمی تعلق پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ دونوں کا وطنی تعلق مغربی یوپی کی علمی و ادبی بستی امروہہ اور مضافات امروہہ سے ہے، شمالی ہندوستان میں امروہہ ان چند اہم مقامات میں سے ایک ہے جہاں مسلمانوں کے قدم سب سے پہلے جمے۔ محمود غزنوی کی تگ وتاز کے دوران جب سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ اپنے جاں باز ساتھیوں کے ساتھ وارد ہندوستان ہوئے تو امروہہ، سنبھل اور بدایوں وغیرہ

سے گزرتے ہوئے ہی بہرائچ پہونچے تھے۔ امروہہ سنبھل، بدایوں نیز ان کے مضافات میں ان کے بہت سے ساتھیوں کے مزارات آج بھی اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ ان مجاہدین نے ان علاقوں میں فریضۂ جہاد ادا کیا تھا اور یہیں مرتبہ شہادت حاصل کیا تھا۔

دہلی میں قیام سلطنت کے بعد امروہہ سنبھل اور بدایوں سلطنت کے اہم اقطاع (موجودہ دور کی کمشنری یا ضلع) تھے لیکن یہ مقامات کٹھریا راج پوتوں کے گڑھ اور ان کی بغاوتوں کے اہم مراکز بھی تھے۔، اس دور کی تاریخ میں بار بار امروہہ میں ہونے والی بغاوتوں کا ذکر ملتا ہے۔ سلطان بلبن نے اپنے عہد میں یہاں کے باغیوں کے مسکن اور پناہ گاہوں یعنی جنگلات کو صاف کرایا۔ باغیوں کا صفایا کرنے کے ساتھ ہی ترک اور افغان قبائل کے بڑے بڑے گروہ یہاں لاکر آباد کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ امروہہ، سنبھل اور ان کے صدہا مواضعات میں ترک آبادی آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔

دہلی کی فتح کے بعد امروہہ، سنبھل اور بدایوں شمالی ہند کے وہ اہم مقامات تھے جہاں مسلمانون نے عسکری لحاظ سے ہی مضبوط قلعے اور چھاؤنیاں نہیں بنائیں بلکہ علم وادب کی بھی مضبوط اساس قائم کی، جلد ہی یہ شہر علما کا مسکن اور علم وادب کا مرکز بن گئے۔ تب ہی سے یہ مقامات دار الاسلام اور مشرقی و اسلامی علوم کا گہوارہ رہے ہیں۔ اولیاء اللہ نے یہاں قیام کرکے رشد و ہدایت کے چشمے جاری کئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بزرگان دین اور علمائے اسلام کے مزارات بکثرت پائے جاتے ہیں اور آج بھی مرجع خلائق ہیں۔

گردش وقت کے ساتھ قلعے اور چھاؤنیاں تو ختم ہوگئے لیکن علوم دین کے مراکز آج بھی قائم ہیں دینی مدرسوں اور علوم دین کے چرچے برقرار ہیں۔ آج بھی یہاں اہل علم اور علمائے دین بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ تاریخ امروہہ پر یوں تو متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں علماء کے تذکرے بھی ہیں لیکن محمود احمد عباسی کی تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ”تاریخ امروہہ“ اور اس کا دوسرا حصہ ”تذکرۃ الکرام“ جو تقریبا چار سو صفحات پر محیط ہے۔ خصوصیت سے علماء وصلحاء کے حالات اور سیرت وسوانح پر مشتمل ہے۔

صدہا علمائے کرام میں سے یہاں بیسیوں صدی عیسوی کے اوائل میں منصۂ شہود پر آنے والے مذکورہ دو بڑے عالموں کا تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔ بقیۃ السلف رئیس الاتقیاء حضرت مولانا الحاج محمد مبین الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کا نسبی تعلق خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ امروہہ کے محلّہ وکیلان، ترپولیہ میں فاروقی خاندان گزشتہ کئی صدیوں سے آباد اور صاحب حیثیت وثروت تھا۔ امروہہ کی تواریخ میں اس خاندان کا تذکرہ موجود ہے۔ خصوصا محمود احمد عباسی کی کتاب تحقیق نساب میں اس خاندان کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی معروف خاندان میں جمادی الاخری 1337ھ مارچ 1919 کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جناب ہاجرہ خاتون کے بطن سے معین الدین فاروق کی اس پہلی اولاد نرینہ کو چونکہ مبین دین بننا تھا، اس لئے آپ کا نام مبین الدین تجویز ہوا۔ اس زمانہ میں ایک پنجابی بزرگ حضرت نور الزماں شاہ علیہ الرحمہ اکثر امروہہ آتے تھے۔ کیونکہ امروہہ میں بہت سے لوگ ان کے مرید تھے۔ خود آپ کے والد ماجد بھی انہیں سے بیعت تھے۔ یہ بزرگ بہت ہی متقی متبع سنت اور کم گو تھے، ایام شیر خوارگی میں انہوں نے گود میں لے کر دست شفقت پھیرا اور عمر دراز، علم نصیب کے دعائیہ کلمات سے نوازا۔ موصوف کی شخصیت کا اثر تو آپ پر پڑا اور آپ بھی تا زیست متبع شریعت اور کم گو رہے۔ بزرگ کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں بھی مقبول بارگاہ ہوئیں۔

تعلیم وتربیت: بسم اللہ خوانی کے بعد قرآن شریف کی تعلیم شروع ہوئی۔ ذہن رسا اور قوت حافظہ نے سن بلوغت کو پہونچنے سے قبل ہی نو سال کی عمر میں حافظ بنادیا۔ لیکن اسی دوران آپ کو والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہونا پڑا۔ ادھر والد محترم مقدمہ بازی اور جائداد کے تنازعات میں اس قدر مصروف ہوئے کہ ان حالات میں تعلیمی مشاغل کا جاری رہنا ممکن نہ رہا۔ لیکن حصول علم کا بے پناہ

شغف باقی رہا۔ امروہہ کے ایک عالم مولانا حکمت اللہ صاحب صدیقی علیہ الرحمہ نے آپ کی تعلیم شروع کی مگر موصوف کا طریقہ تعلیم کچھ ایسا تھا کہ اس کے لئے عمر خضر درکار تھی۔ وہ ایک ہی علم بلکہ ایک ہی کتاب کو پوری توجہ و انہماک سے پڑھانا چاہتے تھے۔ اس لئے پانچ چھ سال کی مشفقت کے بعد بھی ابتدائی کتب کی ہی تکمیل ہوسکی۔ تب مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی اور قاضی محبوب احمد صاحب عباسی مجددی کے مشورے اور ایماء سے آپ کو حضور صدرالشریعہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا جو اس وقت ریاست دادوں ضلع علی گڑھ کے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ لائق استاد نے جوہر قابل کو پہچاننے اور اسے جلا دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ توجہ خاص سے نوازا۔ امروہہ میں ہوئی بے ربط تعلیم کے باوجود بڑے درجات میں جگہ عطا فرمائی اور بقیہ کتابوں کی تکمیل شام اور شب میں کرائی۔ 24/شعبان 1363ھ 14 اگست 1994 کو عظیم و شفیق استاد کے سایۂ عاطفت میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ شروع سے ہی عقیل و فہیم تھے۔ قوت حافظہ و قوت آخذہ بدرجہ اتم تھی۔ دادوں کے دوران تعلیم ہر سال اپنے درجے میں اول آتے اور انعام پاتے رہے۔ نواب صاحب نے دوسرے مدارس کے برعکس تحریری امتحان اور نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے داد و تحسین اور انعام و اکرام کا خصوصی نظم کیا تھا۔ اسی کے تحت آپ کو پہلے سال دس روپیہ کے نقد انعام سے نوازا گیا۔ (اس وقت کے دس روپے یقیناً آج کے ہزار روپیہ کے برابر ہیں) دوسرے سال اول آنے پر کتاب کبیری اور تیسرے سال مختصر المعانی، انعام میں دی گئی۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اپنی مصنفہ کتب کا ایک پورا سیٹ بطور انعام دیا۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ وقف دادوں ضلع علی گڑھ سالانہ رپورٹ 1514 صفحہ 11 بابت شعبان 1357ھ مظہر ہے۔ اس میں ممتحن مولانا محمد سلامت اللہ کا کیفیت کے خانے میں یہ ریمارک موجود ہے۔ ان دونوں (مولانا محمد مبین الدین اور مولانا محمد خلیل خاں برکاتی) نے بہترین جواب دیئے ہیں۔ اسی رپورٹ کے صفحہ نمبر 19 پر ممتحن مذکور نے ۶/۵ رشعبان المعظم ۱۳۵۸ھ ۱۹/۲۰ رستمبر ۱۹۳۹ء کو منعقد مختصر المعانی کے امتحان میں آپ کے جوابات سے خوش ہوکر ممتاز بالائے صد لکھا اور کیفیت کے خانے میں تحریر کیا "اس کتاب کے سات سوال دیئے گئے تھے جن میں صرف پانچ کا جواب طلب کیا تھا مگر مولوی مبین نے جواب میں لکھا کہ " سات جوابوں میں سے کوئی پانچ دیکھ لیجئے" ماشاءاللہ۔

آپ ابتدا سے ہی انتہائی کم گو منکسر المزاج باحیا و بامروت، متواضع تھے۔ کم گوئی اور حیا اور شرم کی وجہ سے کبھی تقریر کی طرف متوجہ نہ ہوسکے۔ آپ کی گوشہ گیری اور کم آمیزی کی ذمہ دار بھی بڑی حد تک فطری کم گوئی اور حیا و شرم تھی۔ آپ اپنے استاد معظم حضرت صدرالشریعہ کا یہ قول اکثر نقل فرماتے تھے۔ "ٹھوس عالم و مدرس بنو اور بناؤ اچھے مدرس کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اور پائدار ہوتا ہے۔" آپ نے تازیست اس پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ جیسے ٹھوس عالم اور بہترین مدرس بڑی مشکل اور محنت سے تیار ہوتے ہیں۔ اور اس تیاری میں خون جگر سے کم کوئی چیز کفایت نہیں کرتی۔ تن آسانی کے اس دور میں اب خون جگر کی کشید کے لئے کون تیار ہے؟

درس و تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے چند ماہ دہلی گئے مدرسہ تجوید القرآن میں درس و تدریس کا کام کیا اور پھر امام النحو مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی کی طلب پر ان کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ میں تقریباً دس سال تک مدرس رہے۔ مدرسہ مذکور میں تخفیف ہوجانے پر مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی نے آپ کو دار العلوم شاہ عالم احمد آباد سے وابستہ کرلیا۔ وہاں پانچ سال تک درس و تدریس سے منسلک رہے۔ اس دوران مہتمم دار العلوم حاجی سلیمان ابراہیم صاحب اور مولانا اعظمی علیہ الرحمہ میں کچھ اختلافات ہوگئے۔ مولانا اعظمی صاحب کو دار العلوم چھوڑنا پڑا۔ آپ نے ان سے تعلقات کے مدنظر خود بھی مستعفی ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ ادھر حاجی سلیمان ابراہیم صاحب کا اصرار یہ تھا کہ آپ مستعفی نہ ہوں بلکہ

اعظمی صاحب کی جگہ سنبھالیں انہوں نے مالی فوائد میں بہت اضافہ کی بھی پیشکش کی لیکن آپ دوستی، رفاقت ومروت کوترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور وہاں سے مستعفی ہوکر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی طلب پر دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف تشریف لے آئے۔ یہاں بھی حاجی سلیمان صاحب کے خطوط آتے رہے۔ جب حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حاجی صاحب موصوف کو ایک سخت خط لکھا اور اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا تبھی حاجی صاحب نے اپنی طلب واصرار کو ختم کیا۔ دارالعلوم مظہر اسلام سے آپ پندرہ سال تک وابستہ رہے۔ اس دوران قاضی محبوب احمد صاحب عباسی مجددی آپ کو اپنے قائم کردہ مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ کے لئے بار بار مدعو کرتے تھے لیکن آپ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی اجازت پر موقوف کردیتے تھے۔ باالآخر خود قاضی صاحب موصوف بریلی شریف گئے مدرسہ اور امروہہ کی ضرورت کا اظہار کرکے آپ کیلئے اجازت چاہی لیکن خلاف توقع حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے نہ صرف ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ قریب میں رکھا ہوا تالا اٹھا کر قاضی صاحب کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ اس مدرسہ کو یہ تالا لگادیجئے اور حاجی صاحب کو لے جایئے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ میں آپ کا کیا مقام تھا۔ وہ آپ کے مدرسے سے چلے جانے کو مدرسہ کا ختم ہوجانا تصور فرماتے تھے۔ باالآخر 1947 میں آپ نے مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ سے وابستگی کو قبول فرمالیا لیکن پانچ سال بعد ہی قاضی صاحب موصوف اور دیگر اراکین مدرسہ کے درمیان سخت اختلافات رونما ہوگئے اور معاملات مدرسہ کی شکست وریخت تک پہونچ گئے۔ اس موقع پر مفتی اعظم راجستھان حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب بطور خاص امروہہ آئے اور مصالحت کی ہرممکن کوششیں کیں۔ ان حالات سے آپ سخت بددل تھے کہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے مہتمم مولانا یامین صاحب نے اصرار کرکے آپ کو جامعہ نعیمہ مرادآباد بلا لیا۔ 19 ستمبر 1979 سے فروری 1988 تک (علالت و وصال تک) آپ جامعہ نعیمیہ میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا محمد یامین صاحب حاجی ذوالفقار احمد صاحب اور دیگر اراکین جامعہ نے قدردانی اور عزت وتوقیر کی ایسی مثال قائم کی کہ جس سے آپ بہت متاثر تھے اور ان حضرات کو دعائے خیر کے ساتھ یاد فرماتے تھے۔

بیعت وخلافت: آپ سلسلۂ رضویہ برکاتیہ قادریہ میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے توسط سے 24 صفر 1370 دسمبر 1950 کو داخل ہوئے۔ حضور مفتی اعظم ہند آپ کے تقویٰ وپرہیزگاری اور علم وعمل کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ خود کردار وگفتار میں بہت محتاط تھے۔ اس لئے کسی کے بارے میں اظہار رائے بڑی احتیاط سے فرماتے تھے۔ کسی بہت ہی متقی وصالح آدمی کا ذکر ہوتا تو فرماتے ولی صفت ہیں مگر متعدد راویوں کے مطابق آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ولی دیکھنا ہوتو حاجی صاحب کو دیکھ لو۔ اس جملہ سے آپ کی قدر ومنزلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا قاری سخاوت حسین صاحب رضوی (تحریک تحفظ سنیت) نے اسی کے پیش نظر کہا تھا

جس کو کہا تھا مفتی اعظم نے بھی ولی
اے دوستو! وہ رب کا پیارا چلا گیا

اس کے علاوہ بھی اکثر موقع پر آپ کیلئے تعریفی کلمات اور بہترین رائے کا اظہار فرماتے تھے۔ 8 شعبان 1381ھ 10 جنوری 1962ء کو حضور مفتی اعظم ہند نے آپ کو سلسلہ رضویہ کی خلافت واجازت عطا فرمائی۔ دراصل اس روز چند دیگر حضرات کو خلافت واجازت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے سب سے پہلے حاجی صاحب قبلہ کو طلب فرمایا، آپ حسب معمول کسی گوشے مین بیٹھے ہوئے تھے۔ طلب خاص پر حیرت واستعجاب کے ساتھ حاضر ہوئے تو وہاں یہ سنایا گیا کہ آج آپ کو سب سے پہلے خلافت واجازت عطا کی جاتی ہے۔

بے کہے جس کو دیں مصطفٰے خاں رضا
اس مبارک خلافت پہ لاکھوں سلام

اس کے باوجود آپ کی احتیاط پسند طبیعت حلقہ مریدین قائم کرنے پر

آمادہ نہ ہوسکی۔ جب تک حضور مفتی اعظم ہنداس دنیا میں موجود رہے تو آپ معتقدین کوان سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ ان کے وصال کے بعد چنداور نام تجویز کردیتے تھے۔ اور خود کو ہمیشہ بلطائف الحیل بچالیتے تھے۔ بعض لوگ اس پر معترض ہوتے اور یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ آپ اپنا فیض عام کرنا نہیں چاہتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ طریقہ کمال احتیاط اور تقویٰ پر مبنی تھا۔ آپ اگر نام ونمود سے دور اور مخلوق سے کنارہ کش رہنا چاہتے تھے تو اس کی وجہ بھی دینی جذبہ، قرآن حکیم اور بزرگوں کے اقوال و ارشادات تھے۔ ارشاد باری ہے۔ ''آخرت کی نعمتوں کو ہم نے ان نیک بندوں کے لئے خاص کر رکھا ہے جو دنیا مین اپنے لئے کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل کرنا نہیں چاہتے''۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مکتوب میں صلحاء کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ مخلوق میں مشہور ومقبول ہونے سے ڈرتے رہیں۔ عوامی مقبولیت میں جو مصائب و مشکلات کے پیدا ہونے کا خوف اور گوشہ گیری میں جو عافیت دینی و دنیاوی پنہاں ہیں انہیں اہل نظر بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

یوں تو ان کا دینی وعلمی فیض ان کے ہزار ہا شاگردوں اور ان کے اخلاف کے ذریعہ تا قیامت جاری رہے گا مگر انتہائی احتیاط کے باوجود آپ نے اپنا روحانی سلسلہ منقطع کرنا بھی پسند نہیں کیا۔ وصال سے تقریبا ایک سال قبل آپ نے اپنے لائق ومتقی شاگرد مولانا صوفی نظام الدین خاں صاحب بستوی اور قاری احمد جمال صاحب قادری کو سلسلہ قادریہ رضویہ کی خلافت واجازت سے سرفراز فرمادیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم صابر کلیری علیہ الرحمہ نے صرف ایک جوہر قابل کو بیعت وخلافت سے سرفراز فرما کر ان کے نام شمس الدین کی مناسبت سے فرمایا تھا۔ ''مارا یک شمس است'' اور یہی ہوا۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کی بدولت چشتی صابری سلسلہ خوب پھلا پھولا اسی طرح حضرت صوفی نظام الدین صاحب بھی آپ کے سلسلہ کو چار چاند لگانے میں مصروف ہیں۔ ان کی ذات والا صفات مرجع خلائق ہے۔ ان کے مریدین ومتوسلین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر چکی ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضرت رئیس الاتقیاء علیہ الرحمہ کی پوری زندگی اور اس کے شب و روز عشق رسالت مآب ﷺ سے عبارت تھے۔ رفتار وگفتار وکردار میں اتباع سنت پیش نظر رہتی تھی۔ درس وتدریس کے اوقات کے علاوہ آپ کے شب وروز کا بیشتر وقت تلاوت کلام الٰہی، دلائل الخیرات، حزب البحر سلسلہ رضویہ قادریہ کے اوراد و ظائف اور درودو سلام کے نذرانے ارسال کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ اسی کے صلے میں حضور رسالت مآب ﷺ کی روحانی توجہ آپ کو حاصل تھی۔ آپ کی ذاتی ڈائری کے اندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آقائے دو جہاں ﷺ کے دیدار پرانوار سے متعدد بار مشرف ہوئے تھے۔ شیخین کرام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بھی آپ نے خواب میں زیارت کی تھی۔ زیارت حرمین شریفین کے دوران جب ایک بار آپ مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہوکر درودوسلام پیش کرنے میں مصروف تھے تو عنایت خاص سے نوازا گیا اور دو سکے آپ کے دامن میں آئے۔

۲۵ جمادی الآخر ۱۴۰۸ھ ۱۴ رفروری ۱۹۸۸ء بروز یک شنبہ آپ واصل حق ہوئے مزار شریف امروہہ میں ہے۔ ۲۵ رجمادی الاخری کو آپ کے سالانہ عرس فاتحہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ ذکر کیا جاچکا ہے کہ امروہہ، سنبھل اوران کے مضافاتی مواضعات میں ترکوں کی آبادی عہد سلطنت کے ابتدائی دور سے ہی موجود ہے مگر یہ امر تعجب خیز ہے کہ آج اس سپاہی پیشہ قوم کی غالب اکثریت زراعت پیشہ ہے ایسا کب سے اور کیوں کر ہوا؟ تحقیق کا موضوع ہے، البتہ اس برادری کے افراد میں دینی علوم کے حصول کا ذوق بھی بدرجہ اتم موجود رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں علمائے دین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فی زمانہ علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ نے خدمت دین کے سلسلہ میں خصوصی شہرت وناموری حاصل کی ہے۔ لیکن ان کی خدمات کا دائرہ خود اپنے علاقے میں کم اور راجستھان میں بہت وسیع ہے۔

مفتی اعظم راجستھان کی تاریخ پیدائش: مفتی صاحب موصوف کی ولادت باسعادت امروہہ کے ایک موضع شیونالی میں ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء ۱۳۳۹ھ کو ہوئی نسبی اعتبار سے ترک ہیں۔ والدمحترم کا اسم گرامی محمد الطاف حسین بن کریم بخش بن خدا بخش ہے۔ آبا واجداد اپنے موضع میں ہی نہیں بلکہ علاقے میں صاحب حیثیت اور بارسوخ

تھے۔ مکھیا کی حیثیت سے گاؤں میں امن و انتظام اور تنازعات کا فیصلہ ان ہی لوگوں سے متعلق رہتا تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے ہی مکتب میں ہوئی بلکہ یہ مکتب خود آپ ہی کی وجہ سے قائم کیا گیا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حصول علم کے لئے مدرسہ اجمل العلوم سنبھل میں داخل ہوئے جسے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے ایک شاگرد رشید اجمل العلماء حضرت اجمل شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے قائم کیا تھا۔ شاہ صاحب موصوف خود ترک برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ حصول علم کے ذوق وشوق نے بہت جلد آپ کو استاذ کا منظور نظر بنا دیا۔ خصوصاً شاہ صاحب موصوف نے آپ کو خصوصی توجہ سے نوازا اور اپنے سایہ عاطفت میں لے کر تعلیم وتربیت کا خصوصی نظم کیا۔ علوم میں آپ کی توجہ حدیث وفقہ کی طرف زیادہ تھی کیونکہ یہی حقیقی طور پر علوم دین ہیں۔ تقریباً دس سال تک حصول علم میں منہمک رہ کر بالآخر ۱۹۴۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دوران تعلیم آپ نے ایک ایسا بابرکت اور مقدس خواب دیکھا جس نے آپ کے استاد محترم حضرت مفتی اجمل شاہ صاحب ہی کی نہیں خود ان کے استاد محترم اور آپ کے دادا استاذ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی خصوصی توجہ کو آپ کی طرف منعطف کر دیا۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت امام عالی مقام سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے صاحبزادے حضرت علی اکبر تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جامعہ نعیمیہ کے جلسے میں شرکت کرنی ہے۔ آپ نے اس خواب سے حضرت اجمل شاہ صاحب کو مطلع کیا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو ساتھ لے کر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی خدمت میں مراد آباد پہنچے اور ان کے سامنے یہ خواب بیان کرایا۔ حضرت موصوف نے بڑی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا۔ دعائیں دیں اور خود اپنے پاس سے شیرینی منگا کر حضرت امام اور شہدائے کربلا کی ارواح مقدسہ کیلئے ایصال ثواب کیا اور شیرینی تقسیم فرمائی۔

راجستھان میں ورود: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے راجستھان کے ایک شہر پالی کو امامت وخطابت اور رشد وہدایت کا مرکز بنایا۔ اس وقت پالی میں دین سے بے رغبتی عام تھی۔ عام مسلمان دین سے بے بہرہ تھے۔ آپ کی مساعی جمیلہ نے بہت کم وقت میں اس ماحول کو بدلنے میں کامیابی حاصل کی۔ پالی میں آپ کا قیام دو سال رہا۔

جودھپور میں آمد: مدرسہ اسحاقیہ کے ارباب اختیار کے اصرار پر آپ بحیثیت صدر المدرسین ۱۹۴۸ء میں وارد جودھپور ہوئے۔ اس مدرسے کو علامہ شاہ محمد اسحاق نقشبندی نے جن کا تعلق پنجاب کے علاقے راول پنڈی سے تھا، ۱۹۱۴ء میں قائم کیا تھا۔ ۱۹۳۳ء تک وہ خود یہاں درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کے بعد مولانا غلام جیلانی اعظمی صاحب کی آمد جودھپور کے وقت یہ مدرسہ زوال کا شکار تھا۔ اور ایک مکتب کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ آپ نے مسجد زندہ شاہ کے دار العلوم بنانے کے منصوبے بنائے۔ ۱۹۵۶ء میں ملت کی دو عظیم شخصیات حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت محدث اعظم ہند کو مدعو کیا۔ ان حضرات کی تشریف آوری نے تعمیر و ترقی کی راہوں کو ہموار کیا۔ اگلے ہی سال حضرات مجاہد دوراں علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی تشریف لائے اور مدرسہ کی امداد وترقی کے لئے خود شہر بھر میں گھوم کر چندہ کیا۔ اس رقم سے مدرسہ سے متصل ایک بڑے قطعہ آراضی کو خریدا گیا۔

حضرت مفتی صاحب کی انتظامی اور تعمیری صلاحیتیں تو مسلم ہیں لیکن درس وتدریس، وعظ وتقریر، افتاء تبلیغ اور مناظرے کے میدان میں بھی آپ کی صلاحیتوں اور کاوشوں کا لوہا مانا جاتا ہے۔ راجستھان کے طول وعرض سے آنے والے اس قدر علمی وفقہی سوالات کے آپ نے جواب دئے ہیں کہ عوام وخواص میں مفتی راجستھان کے لقب سے ہی مشہور ہو گئے ہیں۔

حج بیت اللہ وزیارت مدینہ منورہ: ۱۹۶۳ء میں آپ پہلی بار حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ایک ماہ تک ارض مدینۃ الرسول ﷺ میں قیام فرمایا اور اس خواب کی تعبیر پائی جو آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد دیکھا تھا۔ خواب مین آپ کو جمال سرور کائنات ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ آپنے بخاری شریف طلب فرمائی۔ اس موقع پر غنیمت جانتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک وقت کی دعوت قبول فرمایئے۔ ارشاد ہوا۔ تمہاری دوپہر کی دعوت قبول کی۔

ظاہر ہے کہ یہ ایسا خواب نہ تھا جسے خواب و خیال سمجھ کر دماغ سے محو کر دیا جاتا یہ تو ہر دم تازہ رہا اور یقین دلاتا رہا کہ در اقدس پر حاضری نصیب ہوگی۔ مدینہ منورہ کے دوران قیام آپ نے مواجہ شریف اور ریاض الجنۃ میں بخاری شریف کا دور کیا اور کھجوریں تقسیم کیں۔اس طرح سترہ سال بعد خواب کی تعبیر سامنے آئی۔ چند سال بعد آپ نے دوسری بار زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔ تقویٰ و پرہیزگاری، اتباع سنت، توکل علی اللہ، بزرگوں کے طریقے کی پیروی، اخلاص و ایثار، صلح جوئی، جھگڑوں اور تنازعات کا پرامن اور باعزت تصفیہ کرانے کی کوشش، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی علم برداری اوران سب سے بڑھ کر جہد مسلسل اور حرکت عمل حضرت مفتی صاحب کے کردار کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ وہ گفتار کے نہیں کردار کے غازی ہیں۔ ان کی جہد مسلسل اور حرکت و عمل نے ہی جودھپور کے ایک مکتب کو دارالعلوم بنایا، اشفاقیہ انسٹی ٹیوٹ قائم کرایا۔ مدرسہ فاطمۃ الزہرا قائم کرایا۔ سنی تبلیغی جماعت کو محرک و فعال بنا کر گمراہی اور غلط رسم و رواج کو مٹانے پر آمادہ کیا۔ راجستھان کے طول و عرض میں مختلف مقامات پر مساجد کیلئے متعدد مقامات کے دورے کرائے اور عوام کو صراط مستقیم پر گامزن کرانے کی کوشش کی۔

غرض یہ کہ ایک نحیف و نزار جسم کے ساتھ آپ نے بڑے ہی شاندار و جاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ جن کے اثرات بہت دوررس اور مفید ہوں گے۔ اس لئے ان کے کارناموں پر تحسین و آفریں کہنا، ان سے لوگوں کو واقف کرانا اور انہیں بھی ایسے ہی کارنامے انجام دینے کیلئے مہمیز کرنا اور ان کارناموں کی اہمیت و افادیت کو برقرار رکھنا ہم سب کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ حضرت مفتی صاحب کے فیوض و برکات کو دوام بخشے اور ان کے جانشینوں کو یہ توفیق ارزانی فرمائے کہ وہ ان عظیم الشان کارناموں کو نہ صرف باقی رکھیں بلکہ ان میں دو چند کا اضافہ فرمائیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین امام المتقین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آخر میں دونوں عظیم المرتب ہستیوں (محدث امروہوی اور مفتی اعظم راجستھان) کے باہمی تعلقات اور مماثلتوں کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

☆ دونوں کا تعلق علمی وادبی بستی امروہہ ہے۔

☆ دونوں ہم عمر تھے۔

☆ دونوں کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے گہری محبت و ارادت رہی اور دونوں ہی ان کے مسلک کے پر جوش داعی و نقیب رہے

☆ دونوں ہی جید عالم اور تقویٰ و پرہیزگاری میں ممتاز رہے۔

☆ دونوں میں گہرا دوستانہ و برادرانہ تعلق تھا۔ مفتی صاحب موصوف جب بھی امروہہ تشریف لاتے تھے تو حضرت رئیس الاتقیاء علیہ الرحمہ سے ضرور ملاقات کرتے تھے۔ دونوں کو بارہا کافی دیر تک بے تکلفی کے ساتھ باہمی دلچسپی کے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے راقم نے خود دیکھا ہے۔

☆ حضرت مفتی صاحب نے متعدد بار حضرت رئیس الاتقیا کا ممتحن کی حیثیت سے جامعہ اسحاقیہ جودھپور میں استقبال کیا ہے اور اپنی محبتوں اور تحائف سے گراں بار کرکے رخصت کیا ہے۔ ادھر حضرت رئیس الاتقیاء علیہ الرحمہ ہمیشہ مفتی صاحب موصوف کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے۔ اور راجستھان میں ان کی دینی خدمات اور کارناموں کو سراہتے تھے۔

غرض یہ کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ اخلاص و محبت کا تعلق رکھتے تھے، چونکہ دونوں ہی پندار علم اور انانیت سے کوسوں دور تھے اس لئے ان میں معاصرانہ چشمک کا دور دور پتہ نہیں تھا۔

(افسوس کہ جماعت اہلسنت کا یہ عظیم نقیب اپنی علمی و روحانی خدمات کے انمٹ نقوش چھوڑ کر ۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۱۵؍اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز منگل اپنے مالک حقیقی سے جاملا)

(ماخوذ از ماہ نور دہلی شمارہ مارچ ۲۰۰۷)

مسلم معاشرے سے آپسی خانہ جنگی کا سد باب اشد ضروری

از: مولانا محمد عمران رضا منظری سنبھلی، استاذ شعبۂ اسلامیات جامعہ قادریہ نور العلوم بہیڑی ضلع بریلی شریف

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر میں دنیا روحانیت و اخلاقیات سے بالکل ہی عریاں ہو چکی تھی۔ مادیت پھر لادینیت، اور بد مذہبیت بھرے اس طاغوتی دور میں دنیا کے بیشتر فرقے، متعدد مذاہب کے پرستار صرف انہی اصول و قوانین کو اپنی حیات و ممات کے مسائل کا حل سمجھ رہے تھے جن کی نشو ونما نفسانی خواہشات اور عقلی افکار سے تھی، باطل مذاہب کے صاحبان نے اہل دنیا کے سامنے بظاہر ان چیزوں کو بیان کیا جو ملت کیلئے صرف دنیاوی اعتبار سے ہی وقتی طور سے نفع بخش تھیں۔ لوگوں کی فحاشیت وعریانیت بد تہذیبی میں مزید اضافہ کا باعث تھیں۔ نفسیاتی لذتوں کو تقویت دینے والی تھیں، لیکن اخروی اعتبار سے بالکل ہی ضلالت و گمراہی کا کھلا ہوا ثبوت تھیں، جن کی جانب انسانیت بہت تیزی کے ساتھ مائل ہو رہی تھی اور ایک طویل زمانے سے اس کا شکار بھی تھی جس کی بنیاد پر ایک باحیات انسان کو فکر و شعور اور سماجی علم و آگہی سے بھی دور کا واسطہ نہ تھا چونکہ فتنہ وفساد حشر و انتشار اور آپسی قتل و قتال جاری و ساری رہنا ان سے احساس انسانیت دردانسیت، ایک دوسرے کے غم و حزن، باہمی معاملات تعلقات کا مفقود ہو جانے کا بین ثبوت تھا۔ ایسے مفلوج زدہ وقت میں نبی آخر الزماں ﷺ نے جو مؤثر اقدامات انسانیت کی فلاح کیلئے کئے تھے۔ وہ واقعی آج بھی بنی نوع انسانی کی رشد و ہدایت کیلئے تابندہ نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں نبی آخر الزماں جس دین کے داعی تھے دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو انتہائی جامع اور مکمل دین ہے، ادیان و مذاہب کی تاریخ میں ہمیں کوئی دوسرا مذہب نظر نہیں آتا جو فطرت کے عین موافق ہے اور ہر جگہ کی تہذیب و ثقافت اور ہر قسم کے لوگوں کے مزاج کا ساتھ دیتا ہو۔ تہذیب و تمدن کی تاریخ میں اسلام کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ نسل انسانی کی بقا اسلام کی اتباع میں ہے۔ اسلامی قوانین سے انحراف خودکشی کے مترادف ہے۔ سیرت نبوی کا ہر گوشہ نسل انسانی کیلئے اپنے اندر رہنمائی کے ان گنت پہلو رکھتا ہے۔ مسلمانوں کی رہبری و رہنمائی کیلئے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے ارشادات وفرمودات مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ جل شانہ نے اسی بنیادی معیار کی جانب واضح طور پر بنی نوع انسانی سے خطاب فرمایا۔ لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة، حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ آپ کے لئے بہترین نمونہ ہے، (پارہ ۲۱ سورۂ احزاب) چونکہ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ سے انسان کی ہر ایک شعبہ میں رہنمائی ہوتی ہے۔ خاص کر آج کے اس مضمون میں عرب کی اس سیاہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں جسے اس وقت کی تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ سیاہ باب کہا جاتا ہے اور جس سے سارے معاشرہ کا ڈھانچہ اتھل پتھل ہو رہا تھا۔

تاریخ عرب کے اس سیاہ باب کو لوگوں کے آپسی قتل و قتال اور خانہ جنگی کا نام دیا جاتا ہے چونکہ لوگوں کے مابین آپسی حسد و کینہ، عداوت و بغاوت، ظلم رسائی وایذا رسائی اور باہمی خون خرابے نے انسانی شیرازہ بکھیر رکھا تھا اس کے بالمقابل اللہ کے رسول نے لوگوں کو اولین طور پر اخلاق حسنہ انسانی ہمدردی، غمگساری، دستگیری، دردمندوں کی دادرسی مظلوموں کی امداد و اعانت جیسے بلند نظریات و تصورات سے آشنا کیا ان میں اپنے قول وفعل سے ایک دوسرے کا درد محسوس کرنے کی فکر اجاگر کرنے کے بعد آپسی اتحاد و اتفاق کی داگ بیل ڈالنا تھا اس لئے مزید قتل و قتال، آپسی خانہ جنگی کے اس

تصور کو ختم کرنے کیلئے آپ نے بندوں تک پیغام الٰہی پہنچاتے ہوئے فرمایا۔
من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکأنما قتل الناس جمعا ۔جس نے کسی جان کو ناحق یا بغیر فساد کے قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔(پارہ ٦ سورۃ المائدہ رکوع ۹) انسان کی پامال ہوتی ہوئی عظمت وکرامت کو اسلام نے اچھا نہ سمجھتے ہوئے انسان اور انسانیت کی بقا کیلئے مستحکم اقدام لئے۔قرآن مبین میں پیغام خداوندی نازل ہوا **واللہ لا یحب المفسدین** ۔اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(پارہ٦ رکوع۱۲ آیت ۸)
لا تفسدو فی الارض زمین میں فساد نہ پھیلاؤ(پارہ 1 رکوع۲ آیت۳ سورۃ البقرہ)اس کے ساتھ مذہب اسلام کا یہ قانون بھی لائق ذکر ہے کہ جو جان آپنے تلف کی اسکا بھی عندالشرع بدلہ ہے اس کے لئے قصاص جیسے بہترین اصول کو نافذ کیا تا کہ تصور قتل وقتال کا سلسلہ ہی منقطع ہوجائے۔بیان فرمایا گیا۔**یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحربا لحرو العبد با العبد و الانثی با الانثی** ۔اے ایمان والوتم پرقتل میں آزاد جان کا آزاد کے ساتھ غلام کا غلام کے ساتھ عورت کا عورت کے ساتھ بدلہ متعین کیا گیا۔(پارہ۲ سورۃ البقرہ رکوع ٦) قصاص کس حکمت عملی کے تحت متعین کیا گیا تو اس کے متعلق فرمایا گیا **ولکم فی القصاص حیاۃ یااولی الالباب لعلکم تتقون** ۔تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والوتا کہ تم ڈرنے والے بن جاؤ۔(پارہ۲ سورۃ البقرہ رکوع٦) قصاص میں حیات اس طرح ہے کہ دو شخصوں کے درمیان قتال کے بعد قصاص، بدلہ، خون کا بدلہ خون دیکھ کر تیسرا انسان اس شرم ناک اور خوفناک سرح کی جانب جلدی قدم نہیں بڑھاتا۔ جب قتل وقتال کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے گا۔تو تمہاری جانوں کا مکمل آزادی اور بےخوف وخطر تحفظ ہوسکتا ہے۔ انسانی فکر وخیال فتنہ وفساد اور خونریزی سے الگ تھلگ کرانے کیلئے اور ان میں قلبی مودت ومحبت جاں گزیں کرانے اور برقرار رکھنے کیلئے اللہ کا یہ فرمان بھی اپنے اندر بہت وسعت کا حامل ہے۔**یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی** اےلوگوہم نے تم سب کو ایک ماں باپ سے پیدا فرمایا(پارہ۲٦ سورۃ الحجرات رکوع۱۴)
جہاں یہ آیت کریمہ دیگر مفاہیم ومطالب پر مشتمل ہے وہیں اس سے مذکورہ مفہوم بھی واضح ہے۔ نبی برحق ﷺ نے پرامن ماحول قائم فرمانے کیلئے ایک صاحب اسلام کی شان وشوکت سے متعلق فرمایا **المسلم من سلم المسلمون بلسانه و یده** ۔مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے اس کا دوسرا مسلمان بھائی محفوظ ومامون رہ سکے۔(بخاری شریف جلد۲) نبی آخرالزماں ﷺ نے ہمیں فقط ظلم کرنے سے ہی نہیں روکا بلکہ مظلوم کی مدد کی جانب بھی آمادہ کیا چنانچہ حضرت برابن عازب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ان سات باتوں میں ایک مظلوم کی مدد کرنا ہے۔(بخاری شریف حدیث نمبر۲۴۴۵ ومسلم شریف۲۵٦٦)
ایک مرتبہ پیغمبر اسلام راستہ سے گزر رہے تھے کہ کچھ انصار راستے میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ارشاد فرمایا اگر تمکوایسا ہی کرنا ہے تو سلام کا جواب دو مظلوموں کی مدد کرو اور گزرنے والے کو راستہ بتاؤ(سنن ترمذی عن برابن عازب ۲۷۲٦) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہوتا ہوا چھوڑ دیتا ہے پھر آگے ارشاد فرمایا، جو کسی مسلمان بھائی سے مصیبت دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن مصیبتوں میں سے مصیبت دور فرمائیگا(بخاری حدیث نمبر۲۴۴۲)
کیا آج ہم دوسرے مسلمان بھائی کو اپنا بھائی سمجھتے ہوئے اس کے غم میں شریک ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں دسرے کی پریشانی، مصیبت سمجھنے کیلئے جگہ ہے؟ کیا آج ہم کسی کو ظالم کے ظلم سے نجات دلانے کیلئے کوشاں ہیں؟ کیا آج ہم ایک مظلوم کی دادرسی اور اس کی مدد کرنے کیلئے حوصلہ رکھتے ہیں؟ ہمارا ضمیر مذکورہ کسی بات کا جواب

دینے کی جرات نہیں رکھتا چونکہ آج ہمارے مسلم معاشرہ میں اگر ایک دوسرے کے مقابلے میں ہمت و جرأت ہے تو فقط ظلم رسائی و ایذا رسانی کی۔ ہمارے قدم اگر بڑھتے ہیں تو فقط ایک مسلمان کی تباہی و بربادی کیلئے۔ ہم اپنی سوچ کا استعمال کرتے ہیں تو فقط ایک مسلمان کو ترقی کی راہ سے تنزلی کے گھڑے میں دھکیلنے کیلئے، ہماری زبان اگر کھلتی ہے تو فقط ایک مسلمان کی مخالفت ومخاصمت کیلئے۔ ہمارا ہاتھ اگر اٹھتا ہے تو فقط ایک مسلمان بھائی کا خون بہانے کیلئے۔ ایک مسلمان بھائی کا خاندان ویران کرنے کیلئے۔ اپنی مسلم ماں، بہنوں بیٹیوں، بچوں، جیسے نازک افراد پر مصائب وآلام ڈھانے کیلئے۔

ذکر کردہ تمام فقرے صرف میرے جذبات کے آئینہ دار ہی نہیں بلکہ حقانیت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ موجودہ واقعات و حالات کی صداقت پر مبنی عکاسی ہے۔ صرف درد کا اظہار ہی کافی نہیں بلکہ اس کا مداوا بھی اشد ضروری ہے مسلم معاشرہ کی حالیہ صورت کے پیش نظر کیا ایک صاحب فکر وفہم انسان یہ امید رکھ سکتا ہے کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا میں مسلمان اپنے مظلوم ومطعون مسلم بھائی کو انصاف دلا سکتے ہیں۔ قید و بند کی مصیبتوں کو برداشت کرنے والے نوجوان کو دہشت گردی کے الزام سے بری کرا سکتے ہیں۔ جو مسلم قوم ابھی اپنے مابین ہی اتحاد واتفاق کی مستحکم روایت برقرار نہیں رکھ پا رہی ہے۔ وہ اعدائے اسلام و مسلمین کے ایوان ظلم وستم میں کیا حق گوئی و بے باکی کا علم بلند کر سکتی ہے۔

آج صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر نہ جانے کتنے بے شمار مسلم نوجوان دہشت گردی کے بے بنیاد الزام میں ملوث جیل خانوں میں گاجر ومولی کی مثل سڑ رہے ہیں۔ صرف شکوک وشبہات کی بنیاد پر نہ جانے کتنے کرتے اور ٹوپی سے آراستہ لوگوں کو نت نئی تکلیفیں دی جا رہی ہیں اور مذہب اسلام جیسے بے مثال دین ومذہب کو پوری دنیا میں بدنام کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ لیکن کیا ہماری جانب سے ہونے والے ان مخالفین ومعاندین اسلام کے خلاف احتجاج ومظاہرے ان کے عزائم کے شیش محل کو چکنا چور کر پائے ہیں؟ کیا ہمارے فلک شگاف نعرے ان کی مسلم مخالف پالیسی بدل پائے ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے کا حقیقی درد اس وقت ہی محسوس ہو سکتا ہے جب دونوں کے قلب میں ایک دوسرے کی محبت والفت جاگزیں ہو۔ دنیا میں اسلام مسلمانوں کے خلاف بھڑکائے ہوئے آتشکدہ کو تب ہی بجھایا جا سکتا ہے جب ہم اپنے اندر عداوت و بغاوت کے بھڑکتے ہوئے جوالہ مکھی کی جگہ الفت و پیار کا جہاں آباد کریں۔ دنیا سے مسلمانوں کے خلاف اور دین اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی دہشت گردی کو ختم کرنے سے پہلے آپسی اسلامی بھائی چارگی، اخوت ومحبت، دادرسی، دردشناسی، اسلامی رواداری اور مثبت فکر وعمل، جیسی عظیم صفات سے آراستہ وپیراستہ ہونے کیلئے عملی میدان میں کچھ اقدام کرنے ہوں گے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے عدل وانصاف، امانت، ودیانت اور حقانیت وصداقت بھرے اسلامی پیغامات وفرمودات پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ خود کو بھی عمل پیرا کرنا ہوگا۔ ہماری صلاح وفلاح کیلئے جو نسخۂ کیمیا اسلامی آئین اور ہمارا مذہبی منشور بیان کرتا ہے ایسا منشور وقانون دنیا کا کوئی بھی دستور بیان نہیں کر سکتا۔ تمہارے مذہب نے تمہارے نبی کی حیات طیبہ تمہارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دی ہے۔ تمہاری مذہبی اور مقدس ومتبرک کتاب قرآن مجید نے نبی اخرالزماں ﷺ کی زندگی تمہارے لئے آئیڈیل۔ ایک نمونہ، ایک مثال بیان فرمائی ہے۔

دنیاوی کوئی نظام، کوئی سسٹم تمہاری کامیابی کا ضامن نہیں سوائے قانون مصطفےٰ ﷺ کے خود پیغمبر اسلام نے فرمایا، فاتبعونی میری پیروی کرو۔

مسلک اعلیٰ حضرت کے

ایک بے باک ترجمان۔ حضرت مفتی عبدالجلیل

از: مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی، جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

خلفائے مفتی اعظم ہند کے کارنامے: سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلوص وللٰہیت کے ساتھ دین متین کی جو بیش بہا خدمات انجام دیں تھیں انہیں کا یہ ثمرہ ہے کہ اللہ ورسول کی طرف سے ان کو اور ان کی آل واولاد کو ایسی مقبولیت اور شہرت دوام حاصل ہوئی کہ جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشن ''مشن تحفظ ناموس رسالت'' اور ''مشن تحفظ عظمت اولیائے کرام'' کو انتہائی کامیابی وکامرانی کے ساتھ آگے بڑھانے میں ان کے دونوں شہزادوں، ان کے خلفاء اور ان کے خانوادے کے دیگر افراد نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خود سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفاء کے ساتھ ان کے شہزادوں کے خلفاء نے بھی خوب بیش بہا اور بے مثال کارنامے انجام دئے چنانچہ اس میدان میں سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفاء نے بھی بے مثال اہم کارنامے انجام دیئے۔ سرکار مفتی اعظم ہند کے ان ہی خلفاء میں ایک معتبر نام ہے'' فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی عبدالجلیل نوری رضوی'' کا۔

تاریخ ولادت: کسے معلوم تھا کہ صوبہ بہار کے ضلع مدھوبنی میں واقع ''مہتیا'' نامی ایک پس ماندہ بستی میں وہاں کے نیک اور دیندار بھولے بھالے مشہور میلا دخواں مولوی سخاوت علی کے دینی گھرانے میں یکم رفروری ۱۹۳۴ء کو پیدا ہونے والا یہ بچہ آگے چل کر قوم وملت کا سرمایۂ افتخار، مشن تحفظ ناموس رسالت کا اہم سپاہی، جماعت اہل سنت کا عظیم رہنما، سرکار اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کا متحرک و فعال ناشر، مسلک اعلیٰ حضرت کا بے مثال علمبردار اور سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہیتا مرید وخلیفہ بن کر ایک دن اس پسماندہ بستی کے لئے کا نشان امتیاز بن جائے گا۔

تعلیم وتربیت: چونکہ آپ کو ایک دینی ماحول قدرت کی طرف سے ملا تھا پھر یہ کہ آپ کے والد محترم نے میلا دخواں کی حیثیت سے پوری زندگی رسول اکرم ﷺ کی ثناخوانی میں گزاری تھی جس کا یہ صلہ تھا کہ آپ کا رجحان شعور کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی دینی تعلیم کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے ناظرۂ قرآن اور ابتدائی اردو کی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔ انتہائی پسماندہ بستی سے میرے استاذ محترم حضرت علامہ مفتی عبدالجلیل علیہ الرحمہ نے اپنا جو تعلیمی سفر شروع کیا تھا وہ مختلف مراحل اور متعدد منزلیں طے کرتا ہوا اپنی آخری منزل'' جامعہ نعیمیہ مرادآباد'' جا کر اختتام پذیر ہوا۔

فراغت ودستار بندی: جامعہ نعیمیہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے آپ نے جب قدم رکھا تو اس وقت جامعہ علوم وفنون کے میدان میں'' شیراز وقرطبہ، ثمرقند وبخارا'' کا آئینہ دار بنا ہوا تھا۔ اس وقت کے علوم وفنون کے شہسوار حضرت مولانا محمد یونس اشرفی، حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی اور حضرت مولانا طریق اللہ قادری علیہم الرحمہ کی علمی وفنی اور روحانی وعرفانی انجمن کے آپ ایک درخشندہ وتابندہ ستارہ بن گئے جس نے ان اقطاب علوم وفنون کا ۱۹۵۶ء میں ایک کامیاب چکر لگا کر اپنا علمی سفر پورا کیا۔ اس طرح جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے سن ۱۹۵۶ء میں آپ کو علوم وفنون، حکمت ومعرفت کی سند امتیاز دیکر قوم وملت کی پاسبانی کیلئے قوم وملت کے حوالے کر دیا گیا۔

بیعت وخلافت: آپ جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے علاقے میں ہی دین وملت اور مسلک ومذہب کی مخلصانہ خدمات انجام دیتے رہے

چنانچہ آپ نے ۱۹۵۶ء ہی میں ضلع مدھوبنی کے ایک گاؤں ''پچھی'' میں ایک زمین خرید کر مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت کیلئے مدرسہ اسلامیہ نوریہ کی شکل میں اہل سنت کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ایک اہم دانش گاہ قائم فرمائی۔ تاحیات آپ اس کی ترقی کیلئے کوشاں رہے ساتھ ہی آپ ہمہ وقت ایک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں بھی رہے۔ چنانچہ آپ کا نصیبہ اس وقت اوج ثریا پر پہونچ گیا کہ جب شہزادۂ اعلیٰ تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۹۲ھ کو پچھی تشریف لائے۔ مرشد کامل پر نظر پڑنا تھی کہ آپ کی حیات و زندگی میں درخشندگی پیدا ہوگئی، قلب وجگر اور ذہن نے اندر سے آواز دی یہی ہے تمہاری روحانی وعرفانی کشتی کا ناخدا، یہی ہے تمہارا ہدف زندگی، یہی ہے تمہارا مرشد کامل، یہی ہے تمہاری کامیابی و کامرانی کا ضامن !!! یہ آواز آنا تھی کہ آپ فوراً دیوانہ وار سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دست بوسی وقدم بوسی کیلئے آگے بڑھتے ہیں اور سرکار مفتی اعظم ہند قیمت جوہر کا اندازہ لگا کر فوراً ہی اپنے دامنِ کرم سے وابستہ کر کے اور مرید کرنے کے ساتھ ساتھ تمام سلاسل کی اجازت وخلافت دیکر ان کے اندر دینی، روحانی، علمی اور فنی ایسی حرارت پیدا کر دیتے ہیں کہ جس کے اثرات تاحیات آپ کی زندگی کے ہر شعبہ پر دکھائی دیتے رہے۔

دینی وعلمی خدمات: چنانچہ یہ اسی روحانی حرارت کا کیمیائی اثر تھا کہ آپ نے مذہب ومسلک کے فروغ کیلئے جو اپنی زندگی کا سفر شروع کیا وہ زندگی کے آخری لمحوں تک اپنی منزل تک نہایت تیز گامی کے ساتھ برابر جاری رہا۔ چنانچہ آپ نے جہاں علوم وفنون کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دے کر مسلک اعلیٰ حضرت کے محافظ و پاسبان اور سپاہیوں کی ایک عظیم فوج قوم کے حوالے کی۔ وہیں علوم وفنون اور حکمت ومعرفت کی نشر واشاعت کے لئے ڈیڑھ درجن سے زائد علمی مراکز اور فنی ہیڈ کوارٹر قائم کر کے ہر سطح پر مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت کے سامنے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی۔

دینی مراکز کا قیام: چنانچہ آپ نے صوبۂ بہار کے جن علاقوں میں جو علمی وفنی مراکز قائم فرمائے ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) مدرسہ غوثیہ فریدیہ مدھوبنی (۲) مدرسہ انصار العلوم گنگا ساگر مدھوبنی، (۳) مدرسہ غوثیہ نینا گھاٹ دربھنگہ، (۴) مدرسہ اسلامیہ غوثیہ گھاٹ دربھنگہ (۵) دار العلوم حبیبیہ پچھوا (۶) مدرسہ رضائے مصطفیٰ بلوا وغیرہ اس طرح آپ نے قوم کے نونہالوں کیلئے یہ ڈیڑھ درجن ادارے قائم فرما کر اپنے لئے صدقۂ جاریہ کا سامان کرلیا۔

تبلیغی ودعوتی اسفار: اس کے ساتھ ہی آپ نے صوبہ بہار کے مختلف خطوں کا تبلیغی دورہ فرما کر مسلک و مذہب کی بے مثال نشر واشاعت بھی فرمائی، آپ کی ان ہی خدمات کو دیکھتے ہوئے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے آپ کو ادارہ شرعیہ کا ''چیف آرگنائزنگ'' سکریٹری منتخب فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اس عہدے کا بھرم رکھتے ہوئے صوبہ بہار کے دور دراز کے خطوں کا دورہ کر کے ضلعی اور بلاک سطح پر ادارہ شرعیہ کی شاخیں قائم فرمائیں۔

وصال: آپ تاحیات اپنی علمی، روحانی، عرفانی، تنظیمی، تبلیغی اور قائدانہ صلاحیتوں سے اہل سنت کا تحفظ، بد مذہبوں کا رد اور اشاعت مسلک اعلیٰ حضرت کے نمایاں کارنامے انجام دے کر ۲؍جمادی الثانی مطابق ۱۱؍جنوری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات رات ۹؍بجکر ۴۰ منٹ پر اپنے احباب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

آپ نے اپنے بعد جہاں بے شمار روحانی فرزند چھوڑے ہیں وہیں پسماندگان میں آپ نے دو نسبی فرزند اور ایک بیٹی چھوڑی آپ کے بڑے بیٹے اور جانشین مولانا فخر الدین رضوی نیز چھوٹے شہزادے مولانا شرف الدین نوری کی فراغت جامعہ رضویہ منظر اسلام سے ہے۔ دونوں ہی شہزادے اپنے والد محترم کی صحیح جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین متین اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ میرے استاد محترم کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کے فیضان سے ہم سب کو مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ نبی الکریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم

امام احمد رضا

قطبِ وقت بھی اور مظہرِ غوث اعظم بھی

از: مولانا کبد علی رضوی خلیفۂ تحسین ملت اننۃ کوٹا کرشنہ باٹی ہمت آباد۔اتر دیناجپور، بنگال۔موبائل نمبر 9733321483

اللہ جل مجدہٗ الکریم نے اپنے برگزیدہ بندہ امام احمد رضا کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایت کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار مدینہ علیہ السلام کی سچی غلامی نے اعلیٰ حضرت کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا۔ چنانچہ اگر ایک طرف آپ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب تھے تو دوسری طرف سرکار غوث پاک کے مظہر جمیل بھی آپ نے جس شان سے احیائے دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہیں کہ یقیناً آپ کی ذات گرامی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی وعرفانی کرنوں کی تجلی گاہ تھی۔ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا گیارہ درجہ تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے۔ (الملفوظ حصہ سوم) بے شک سرکار غوثیت کے یہی وہ خصوصی غلامی ہے جس کے پیش نظر ہم سرکار اعلیٰ حضرت کو قطب الوقت سے یاد کرتے ہیں آپ کے منصب ولایت کی رفعت اور درجۂ قطبیت کی بلندی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حرمین مقدس کے بڑے بڑے مشائخ وعارفین نے آپ کو اپنا شیخ طریقت بنایا۔ آپ کو اپنا استاذ مانا آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، آپ سے اجازتیں لکھوائیں اب رہے وہ مسافر جن کی پہنچ طریقت کی منزل یا حقیقت ومعرفت کے زینے تک بھی ہو وہ بھلا اس احمد رضا کو کیا پہچان سکیں گے جو اپنے آقا سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیابت عظمیٰ سے مشرف ہوکر معرفت وعرفان کی بلند منزل پر رونق افروز ہیں سالکین تو سالکین مجاذیب حضرات بھی جو شرعاً مرفوع القلم ہوتے ہیں آپ کی عظمت ورفعت کے سامنے جبین احترام کو ختم کردیا کرتے تھے۔ ایک مجذوب وینا میاں جن کی زبان پوربی تھی وہ صرف ایک لنگوٹی باندھے رہا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ ٹرین کو اپنی کرامت سے روک دیا تھا۔ شہر بریلی کے ہندو مسلمان سبھی ان کے نام سے واقف ہیں ایک دن ان کا گزر محلّہ سوداگران میں ہوا جب وہ اعلیٰ حضرت کی مسجد کے سامنے پہونچے تو آپ کاشانۂ اقدس سے تشریف لارہے تھے۔ وینا میاں آپ کو دیکھکر بھاگے اور ایک گلی میں جاکر چھپ گئے لوگوں نے کہا میاں کیوں بھاگتے پھرتے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ''بابا مؤلوا آوت ہے'' لوگ بولے کہ مولوی صاحب آرہے ہیں تو کیا ہوا۔ تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا پھرج کھلے بھئے ہیں'' (سترعورت کھلا ہوا ہے) یعنی قابل ستر جسم کا حصہ کھلا ہوا ہے لہذا ایسی حالت میں ایک عظیم المرتبت پیشوائے طریقت کے سامنے جانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔ بریلی میں ایک مجذوب حضرت بشیر الدین آخوندزادے کی مسجد میں رہا کرتے تھے اور جو شخص ان کے پاس جاتا تو کم سے کم پچاس گالیاں سناتے خود اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے اولیائے کرام کے عاشق اور ان کی ملاقات کے شائق تھے چنانچہ آپ اپنی نوعمری کے زمانے میں حضرت بشیر الدین مجذوب کی ملاقات کا شوق ہوا ایک روز رات کے گیارہ بجے تنہا ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرش پر جاکر بیٹھ گئے حضرت بشیر الدین علیہ الرحمہ حجرہ میں چارپائی پر بیٹھے تھے آپ کو بغور پندرہ بیس منٹ تک دیکھتے رہے اور پوچھا کہ تم مولوی رضا علی صاحب کے کون ہو؟ اعلیٰ حضرت نے جواب دیا کہ میں ان کا پوتا ہوں۔ فوراً وہاں سے اٹھے اور آپ کو اٹھا کر لے گئے اور چارپائی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ آپ یہاں تشریف رکھئے پھر پوچھا کہ کیا آپ مقدمے کیلئے آئے ہیں اعلیٰ حضرت نے فرمایا مقدمہ تو ہے لیکن میں اس کیلئے نہیں آیا میں تو صرف دعائے مغفرت کیلئے حاضر ہوا ہوں، قریب آدھے گھنٹے تک برابر کہتے رہے اللہ کرم کرے اللہ کرم کرے اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے برادر اوسط حضرت مولانا حسن رضا علیہ الرحمہ ان کے پاس مقدمہ کی غرض سے حاضر ہوئے حضرت بشر الدین علیہ الرحمہ نے ان سے خود ہی پوچھا کہ مقدمہ کیلئے آئے ہو۔ مولانا نے کہا جی ہاں فرمایا کہ مولوی صاحب سے کہنا قرآن شریف میں یہ بھی ہے **نصر من اللہ و فتح قریب** بس دوسرے ہی دن مقدمہ فتح ہوگیا۔

حضور مفتی اعظم ہند کی حمدیہ شاعری
فکر و فن کے آئینے میں

از: مولانا طفیل احمد، نائب مدیر ماہنامہ اشرفیہ

ارباب علم و ادب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں کے ادب کی ابتدا شاعری سے ہوئی ہے۔ تحریر کا فن وجود میں آنے سے قبل اظہار خیالات، ترسیل جذبات اور حادثات و واقعات کو محفوظ رکھنے میں ذریعہ اشعار ہی رہے ہیں اور آج بھی اظہار خیالات کے لئے نظم و شعر ہی زیادہ پسندیدہ سمجھی جاتی ہے اردو زبان کی تاریخ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اردو ادب میں بھی نظم پہلے وجود میں آئی اور نثر بعد میں۔ اردو زبان کو یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ یہ اپنی پیدائش کے وقت سے ہی مومنہ اور کلمہ گو رہی ہے۔ شاید اسی وجہ سے آج اس زبان کو زبردستی کلمہ پڑھا کر مسلمان بنادیا گیا ہے اور یہ پروپگنڈہ برسوں سے جاری ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے، جو کسی بھی طرح درست نہیں۔ اردو مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہندوستان کی قومی زبان ہے۔ گنگا جمنی تہذیب، مذہبی رواداری اور اتحاد و یک جہتی کے رنگ میں یہ زبان پوری طرح رنگی ہوئی ہے۔

اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں ہو چکا تھا۔ دیگر اصناف شعری کی طرح حمد و مناجات اور نعت و منقبت کی روایت بھی شروع سے چلی آرہی ہے۔ مایۂ ناز شاعر و ادیب پروفیسر طلحہ رضوی برق لکھتے ہیں

''صوفیہ کرام اور مبلغین اسلام کے ہاتھوں دین متین کی ترویج و اشاعت کیلئے اردو پروان چڑھی اور شروع ہی سے اس کی توتلی زبان پر حمد و ثنا اور نعتِ رسول پاک ﷺ جاری ہوگئی۔ (اردو کی نعتیہ شاعری، صفحہ ۵)

حضور مفتی اعظم ہند کی شاعری: شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ (متوفی ۱۴۰۲ھ) برصغیر ہند و پاک کی ایک علمی و روحانی شخصیت کا نام ہے۔ علم و حکمت، تقویٰ و طہارت اور ادب و شاعری آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ آپ کی شاعری عشق رسول علیہ الصلاۃ والسلام کا نتیجہ ہے۔ جب حب رسول سے دل مچلنے لگتا، عقیدت و محبت سے لبریز اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوجاتے اور کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان سے وہ پاکیزہ اشعار وجود میں آئے کہ دیوان گان عشق سن کر مسرور و مسحور ہونے پر مجبور ہوجاتے۔ آپ کا نعتیہ کلام'' تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ'' آج بھی اہل عقیدت کی زبان پر جاری ہے اور عشق رسالت کی آنچ کو تیز کرنے کیلئے کافی ہے۔ اس کے لفظ لفظ سے محبت کی خوشبو پھوٹتی ہے اور اہل ایمان کے مشام جاں کو معطر کردیتی ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند جتنے بڑے عالم و مفتی اور فقیہ تھے، اتنے ہی بڑے درویش، ولی کامل اور فنا فی اللہ بھی تھے۔ عبادت و ریاضت اور دوران نماز محویت کا یہ عالم تھا کہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوجاتے اور یادِ خداوندی میں اس قدر مستغرق ہوجاتے کہ خود اپنے وجود کی فکر نہیں رہتی۔

آپ کی زندگی'' **الحب فی اللہ و ا لبغض فی اللہ** '' کی عملی تفسیر تھی، بیش تر اوقات ذکر و اذکار اور اوراد و ظائف میں گزارتے۔ چہرے پر تقدس کی لکیریں صاف اعلان کرتیں کہ یہ کوئی مردِ خدا اور فنا فی اللہ انسان ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ'' سامانِ بخشش'' اسم بامسمیٰ ہے۔ توحید و رسالت کے متوالوں کیلئے اس میں واقعی مغفرت و بخشش کا سامان موجود ہے، نعت، و منقبت کے ساتھ حمد کے اشعار بھی کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات اسمائے حسنیٰ اور بعض ضروری عقائد دینیہ پر مشتمل ہیں۔ کہتے ہیں کہ'' حمدیہ شاعری آسان ہے بہ نسبت نعتیہ شاعری کے''، لیکن حمدیہ اشعار کہنا بھی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ فنی

اصول وضوابط کے ساتھ شرعی آداب کا پاس ولحاظ بھی بہر گام ضروری ہے۔ یہاں بھی قدم قدم پر ایمان کے ضیاع کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ تہی دامانِ علم وشریعت کو تو اس میدان میں بھول سے بھی نہیں اترنا چاہئے ورنہ تنقیص الوہیت کے باعث انہیں ایمان سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ کہنے والے نے تو جذبات میں کہہ دیا کہ ''توحید کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے۔ جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے'' (معاذ اللہ) یہ نعتیہ شعر جہاں افراط پر مشتمل ہے وہیں شان الوہیت اور مرتبۂ ربوبیت کے بھی خلاف ہے اسلامی شاعری لیلیٰ مجنوں کی داستاں نہیں کے الفاظ ومعانی کا بے دریغ استعمال کیا جائے بلکہ اس میں پاکیزہ جذبات کے اظہار کے لئے توحید ورسالت کے بلند اور نازک مراتب کا خیال از حد ضروری ہے۔ نعت میں افراط وتفریط سے دامن بچاتے ہوئے اعتدال کا راستہ اپنانا چاہئے۔ جب کہ حمد میں شانِ الوہیت کے منافی الفاظ وخیالات کا استعمال ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ ہماری شاعری، شاعری کے بجائے آزری ٹھہرے گی اور دین ودنیا کی سعادتوں سے محرومی ہاتھ آئے گی۔ مفتی اعظم ہند دینی علوم کے رمز شناس اور زبان وادب کے ماہر تھے۔ آپ شانِ تقویٰ، شانِ تفقہ وعظمت فتویٰ نویسی میں معاصرین میں منفرد وممتاز تھے۔ ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا مقام کافی بلند ہے۔ ''سامان بخشش'' میں والد گرامی امام احمد رضا قدس سرہ کی ''حدائق بخشش'' کا رنگ نمایاں ہے وہی رنگ وآہنگ وہی انداز وہی طرز استدلال اور مضامین کا وہی تنوع دونوں جگہ یکساں نظر آتا ہے۔ آپ صحیح معنوں میں ''وارث علوم اعلیٰ حضرت'' تھے۔ ''سامانِ بخشش'' اس لائق ہے کہ فنی حیثیت سے اس پر کلام کیا جائے اور اس کے ادبی جمالیات سے دنیا کو روشناس کرایا جائے۔ تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے سر دست آپ کی ''حمدیہ شاعری'' پر قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حمد ومناجات کی روایت: اردو شاعری میں حمد ومناجات کی روایت قدیم ہے۔ صوفی شاعر خوب محمد چشتی، مرزا محمد مقیم بیجاپوری، شیخ محمد ابن احمد عاجز شیخ محمد مظہر الدین، ملا نصر الدین، سراج اورنگ آبادی، امیر خسرو، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، وغیرہم کی شاعری میں حمد ومناجات کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ دیوانِ غالب کا پہلا شعر ''نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا'' حمد سے متعلق ہے ''کلیاتِ اقبال'' میں بھی حمد کے اشعار پائے جاتے ہیں ''شکوہ اور جواب شکوہ'' ڈاکٹر اقبال کا مشہور مگر متنازع فیہ اور شرعی اعتبار سے قابل گرفت کلام ہے، تاہم اس میں حمد ومناجات کے اشعار بھی موجود ہیں۔ مثلاً

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

حمد ومناجات کی تعریف: لغت میں حمد کا معنی تعریف وتوصیف، خوبی اور بزرگی بیان کرنے کے ہیں اور مناجات کا مطلب گریہ وزاری و طلب کے ہیں۔ یعنی ثنائے رب جلیل کا نام حمد ہے، اور اپنے احتیاجات کیلئے عاجزی وانکساری کے ساتھ رونے اور گڑگڑانے کا نام ''مناجات ہے'' اسرار کرت پوری لکھتے ہیں: ''ایسے اشعار جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی تعریف کی جائے، شاعری کی اصطلاح میں حمد کہلاتی ہیں۔ حمد کسی بھی ہیئت میں کہی جاسکتی ہے مناجات کے اشعار میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جاتی ہے'' (مفتاح سخن صفحہ ۲۶)

دینی اعتبار سے حمد الٰہی کی جتنی فضیلت واہمیت ہے وہ ایک مومن کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم کی ابتداء سورۂ فاتحہ ''**الحمد لله رب العالمین**'' سے ہوتی ہے سورۂ فاتحہ میں حمد بھی ہے اور مناجات بھی۔ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا ذکر ہے اور دعا کی تعلیم بھی۔ گویا قرآن مقدس جیسی الہامی کتاب کے شروعاتی مضامین ''حمد و مناجات'' پر مشتمل ہیں حمد ومناجات سے عبد ومعبود کے درمیان ایمانی وروحانی رشتہ استوار کیا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر اردو شاعری میں ''حمدیہ شاعری ومناجاتی کلام'' کی بنیاد پڑی۔

مایۂ ناز محقق سید اعداد امام اثر لکھتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ دعا ومناجات، عبادت کے مغز ہیں یہ گمراہوں اور جاہلوں کا شیوہ ہے جو یہ کہتے ہیں

کہ دعاومناجات کی کوئی حاجت نہیں۔ دعاومناجات سے مسلمانوں کو کوئی چارہ نہیں ہے اس سے انکار اسی کو ہوگا جو خدا کا قائل نہیں اور وہ درحقیقت دہریہ ہے۔ (بہارستانِ سخن صفحہ ۳۳۳، قومی کونسل دہلی)

حضور مفتی اعظم ہند کی حمدیہ شاعری کی نمایاں خصوصیات حب الٰہی، اخلاص، اظہار عبودیت، اعلان ربوبیت اور اثبات عقائد ہیں ایک بندۂ مومن کو اپنے خالق و مالک اللہ عزوجل کے بارے میں کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے، ذات واجب الوجود کتنی عظیم الشان اور عظیم المرتبت ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ کس طرح اپنے پالنہار کی حمد وثنا میں مصروف اور رطب اللسان ہے۔ ان تمام باتوں کا اظہار واعتراف آپ نے بڑے والہانہ انداز اور پاکیزہ اسلوب میں کیا ہے۔ شوکتِ الفاظ، ندرت خیال، استعارات وتمثیلات، فصاحت وبلاغت اور لسانی بانکپن اپنے نقطۂ عروج پر دکھائی دیتے ہیں۔ اشعار کی لفظی اور معنوی خوبیوں کے لئے مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں۔

اشعار کی لفظی خوبیاں: کسی شعر کی ظاہری اور لفظی خوبی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس میں ''سادگی'' ہے یا نہیں؟ اصطلاح شاعری میں سادگی کا مفہوم یہ ہے کہ ''مطلب اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کو سمجھنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئے۔ (ہماری شاعری صفحہ ۱۵۵ ایجوکیشنل ہاؤس علی گڑھ) سادگی کا انحصار کئی چیزوں پر ہے۔ مثلاً مشکل لفظ استعمال نہ کیئے جائیں، انہیں لفظوں سے کام لیا جائے جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہیں، شعر کی اس ظاہری خوبی کو سلاست کہتے ہیں سادگی کی مثال مرزا غالب کا یہ شعر ہے ؎

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

چچا غالب نے یہاں اپنے مقصد کو اتنے آسان اور سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ شعر نظم کے بجائے نثر معلوم ہوتا ہے جب کہ اس کے برعکس نیچے کا شعر سادگی'' کے زمرے سے خارج ہے، کیوں کہ یہاں ادائے مقصد کے لئے سادہ الفاظ اور آسان اسلوب کا استعمال نہیں ہوا ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

جیسا کہ بیان ہوا کہ کلام مفتی اعظم ہند کی ایک نمایاں خصوصیت سادگی اور سلاست ہے آپ کی حمدیہ شاعری میں سادگی اور سلاست و روانی کا اندازہ ذیل کے اشعار سے لگائیں ؎

تیرا جلوہ ہے ہر سو
توہی تو ہے تو ہی تو
ہے موجود حقیقی وہ
ہے مشہود حقیقی وہ
ہے مقصود حقیقی وہ
معبودِ حق و حقیقی وہ
ھو حق ھو حق ھو حق
رب ناس و رب فلق
غیر نہیں تیرا مطلق
بھولوں گا میں یہ نہ سبق

یوں تو تمام اشعار سادگی اور سلاست کے زیور سے مزین ہیں مگر بالخصوص پہلے شعر میں تو سلاست وروانی اور سادگی کی انتہا ہے۔

ادب انسان کی زندگی سے مادی تفکرات کو مٹا کر اسے تخیل واحساس کی پرسکون اور ارفع منزلوں سے روشناس کراتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادب کا پہلا اور اساسی مقصد انسان کے تخیل کی ترجمانی اور اس کے لطیف جذبات کی عکاسی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور ساری مخلوق خواہ انسان ہو یا حیوان یا نبات و جماد سب کے سب حمد الٰہی میں مشغول و مصروف ہیں۔ ایک بندۂ مومن کو اپنے مالک حقیقی کی قدرت وصنّائی کا جلوہ ہر جگہ نظر آتا ہے، سرکار مفتی اعظم ہند انسان کے اسی جمالیاتی احساس اور روحانی تخیل کی ترجمانی یوں کرتے ہیں ؎

ہر دل میں ہے اس کی لگن
آنکھوں میں وہ نور افگن
کیا صحرا اور کیا گلشن

مہر و جود کی ایک کرن
سرو سنبل اور سمن
شمشاد و صنو بر اور سوسن
نرگس، نسریں سارا چمن
اس کی ثنا میں نغمہ زن
طائرانِ جناں میں تری گفتگو
گیت تیرے ہی گاتے ہیں وہ خوش گلو
کوئی کہتا ہے حق، کوئی کہتا ہے ھو
اور سب کہتے ہیں لاشریک لہٗ
عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا
جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرے ذرے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا
قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو

مندرجہ بالا اشعار سے سرکار مفتی اعظم ہند نے اہل اسلام کو یہ پیغام دیا ہے کہ کائنات کی ہر شئے حمد الٰہی اور یادِ خداوندی میں مصروف ہے، ہمیں بھی ایک لمحہ کیلئے حمد و یادِ الٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہئے، کیوں کہ ذکر سے غفلت مردہ دلی اور وبال و نکال کا سبب ہے چنانچہ اہل غفلت کو یہ کہہ کر بیدار کرتے ہیں

جو ہے غافل ترے ذکر سے ذوالجلال
اس کی غفلت ہے اس پر وبال و نکال
قعرِ غفلت سے ہم کو خدایا نکال
ہم ہوں ذاکر ترے اور مذکور تو
اللّٰہُ، اللّٰہُ، اللّٰہُ، اللّٰہُ

راجح قول کے مطابق اللہ یعنی اسم جلالت اس ذاتِ واجب الوجود کا علم ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات قدیم ہیں حضور مفتی اعظم ہند نے اللہ رب العزت کی ذات و صفات کو قدیم بتلاتے ہوئے اس کے اسمائے حسنیٰ، کو بڑی فنکاری کے ساتھ شعر کا جامہ پہنایا ہے اور دنیا والوں کو یہ درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ ولد و والد سے وہ پاک ذات بے نیاز ہے۔

اللہ، الٰہ و رب و واحد
فردو واحد، و ترو صمد
جس کا والد ہے نہ ولد
ذات و صفات میں بے حد وعد

آپ نے یہاں اپنی مہارتِ فن کا ثبوت دیتے ہوئے سورۂ اخلاص، ''قل ھواللہ احد'' کا ترجمہ کر دیا ہے۔
''اسمائے حسنیٰ'' کو کتنی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

مُنعم و حق وسمیع و بصیر
باقی باری برو خبیر
جامع مانع منار کبیر
رافع نافع حی وقدیر
حکم وعدل علی و عظیم
دیان و رحمٰن ورحیم
قدوس حنان و حلیم
فتاح و منان و کریم

باقی تمام اسمائے حسنیٰ کو بھی شعری پیکر میں اس طرح ڈھالا ہے کہ شعر کی سلاست و روانی میں نہ کوئی فرق آیا ہے اور نہ کہیں ''سکتے'' کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ یقیناً یہ آپ کے شاعرانہ کمال کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔

دینی عقائد کا اثبات: ایمان و عقیدہ اصل ہے توحید و رسالت، قیامت، حشر و نشر اور دیگر ضروریات دینی کا انکار کفر ہے۔ عقیدہ کے بغیر عمل بے کار ہے۔ الوہیت و رسالت سے متعلق عقائد کا درست ہونا ضروری ہے۔ ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ دینی عقائد سے واقف ہو۔ اللہ عزوجل اور اس کے محبوب ﷺ کے بارے میں کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ ان تمام باتوں کا علم بھی ضروری و لازمی ہے۔
اہل سنت و جماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن شئی پر قادر

ہے اور محالات تحتِ قدرت داخل نہیں ظلم، جہل، کذب، زنا، سرقہ، ان تمام چیزوں کا شمار نقائص اور قبائح میں ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ کے حق میں نقص اور قبح محال ہیں۔

منہاج السنۃ النبویہ میں ہے:''**الادلة العقلية دلت على امتناع اتصافه سبحانه با لنقائص و القبائح** ''(منہاج السنہ ۶۴/۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی اللہ رب العزت کا صفتِ نقص وقبح سے متصف ہونا محال وممتنع ہے۔اور محال تحتِ قدرت داخل نہیں'' **والنقص عليه محال** ''(شرح مواقف ۳ ی ۱۴۰)

عقائد حافظیہ میں ہے کہ ''ظلم سفہ اور کذب سے قدرتِ الٰہی متعلق نہیں، کیوں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں اور محال تحتِ قدرت داخل نہیں''(تقدیس الوکیل، صفحہ ۱۱۴)

بحرالرائق میں ہے **او نسبه الى الجهل او العجز او النقص** (بحرالرائق ۲۰۲/۵، دارالکتب لعلمیہ، بیروت) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب جہل، عجز اور نقص کو منسوب کرنا کفر ہے۔حضور مفتی اعظم ہند انہیں عقائد دینیہ کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؎

جہل و ظلم و کذب و زنا
خواری میخواری سرقہ
اس سے ممکن؟ جس نے کہا
لاریب اس نے کفر بکا

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ روح اور جسم سے پاک ہے اور اس کی صفات قدیم ہیں۔اہل سنت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے امام غزالی اپنی کتاب ''الجام العوام'' میں لکھتے ہیں '' **انه تعالىٰ منزه عن الجسمية و عوارضها** ''(الجام العوام، مکتبۃ الحقیقۃ، ترکی)

''تحفہ اثناعشریہ'' میں ہے ''**صفاته تعالىٰ الذاتية قديمة**'' (تحفہ اثناعشریہ، صفحہ ۸ ترکی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ان عقائد کو آپ نے اس طرح نظم کیا ہے۔

روح نہیں ہے وہ نہ جسیم
مقسم ہے وہ نہ قسم و قسیم
اس کے صفات و اسمائے قدیم
ہے یہ اپنا دینِ قدیم

اللہ تبارک وتعالیٰ جسم وجسمانیات سے پاک ومنزہ ہونے کے ساتھ زمان وجہات اور حرکت ومکان سے بھی مبرا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے'' اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور اس سے اس کی مراد مکان ہو تو یہ کفر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو تحت وفوق سے متصف کرنا بھی کفر ہے۔

بحرالرائق میں ہے،''**فان قال: الله في السماء.....و ان اراد المكان كفر" ويكفر بو صفه تعالىٰ با لفوق او التحت** (بحرالرائق، ۵ ی ۲۰۳/۳ بیروت)

آیئے اور دیکھئے کہ حضور مفتی اعظم ہند ان عقائد کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں ؎

ہے وہ زمان وجہات سے پاک
وہ ہے ذمیم صفات سے پاک
وہ سارے محالات سے پاک
وہ ہے سب حالات سے پاک

پاک ہے عیبوں سے مولیٰ۔عیب کو اس سے علاقہ کیا
عیب اس کا صالح نہ ہوا۔ ہو متعلق قدرت کا

غرض کہ آپ نے علم کلام کے اہم اور ضروری مسائل کو اشعار کے پیکر میں ڈھال کر دین وادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔عقائد کے بغیر ادب کو وجود بخشنا ایسا ہی ہے جیسے الفاظ کے بغیر معانی کو ادا کرنا۔علمائے اہل سنت کو ادبی خدمات کے دائرے سے خارج کردینا صرف اس بنا پر کہ ان کے ادب میں عقائد اسلامی کی آمیزش ہے، سراسر ناانصافی اور ہٹ دھرمی ہے۔

حمدیہ شاعری میں طنز کی آمیزش: طنز ومزاح اور ظرافت یہ ادب اور زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔طنزیہ نگار ادیب یا شاعر کا مقصد ہنسانا یا

ہنسانا نہیں ہوتا۔ وہ طنزیہ اسلوب میں نشتر چبھونے کا کام کرتا ہے اور قارئین کو اس کے پس پردہ ایک پیغام دیتا ہے۔ طنزیہ ظرافت کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ لیکن فنکارانہ انداز میں اسے برتنا سب کے بس کی بات نہیں۔ طنز برائے تعمیر یا بلفظ دیگر صالح طنز نگاری کیلئے بڑی ریاضت اور مشق کی ضرورت ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی طنز و تعریض کے نمونے ملتے ہیں۔ مقصد فکر و عمل کی اصلاح ہو تو ادب میں طنزیہ اسلوب کا استعمال معیوب نہیں بلکہ محبوب اور مستحسن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ''کاذب'' کہنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

صدق رب جب واجب ہے
کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے
عقل کہاں تیری غائب ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور اس کے کمالات کا انکار کرنا سراسر نادانی اور احسان فراموشی ہے۔ ایسے ہی احسان فراموش لوگوں سے آپ مخاطب ہیں اور ان پر طنز کا نشتریوں برساتے ہیں ۔

اس کا کھائے او منکر
اور غرائے او کافر
کون ہے دیتا او غادر
اس کے سوا مال او فاجر

کون ہے۔۔۔۔۔۔

کلام مفتی اعظم کی فنی حیثیت: اردو شعر و ادب کے اولین نقاد اور مشہور ادیب خواجہ الطاف حسین حالی کے بقول، ''شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا اور اصلیت پر مبنی ہو'' (مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۱۲۷ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ)

اس قاعدے کے تناظر میں جب ہم حضور مفتی اعظم ہند کی حمدیہ شاعری کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہر شعر مذکورہ تینوں اوصاف کا حامل نظر آتا ہے اور آپ کی شاعری فکر و فن کے اعلیٰ مقام پر فائز دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے کلام میں جو سادگی اور اصلیت ہے وہ درج بالا اشعار سے ظاہر ہے۔ اور جہاں تک ''شعر کا جوش سے بھرا ہونے کی بات ہے تو پہلے جوش سے بھرا ہونے کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے۔ حالی کے الفاظ میں ''شعر جوش سے بھرا ہوا ہو'' اس سے صرف یہی مراد نہیں کہ شاعر نے جوش کی حالت میں شعر کہا ہو یا شعر کے بیان سے اس کا جوش ظاہر ہوتا ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ مخاطب ہیں ان کے دل میں جوش پیدا کرنے والا ہو۔ (مقدمۂ شعر و شاعری، صفحہ ۱۲۹) مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں کہ مخاطب اور سامع کے دل میں کس قدر جوش پیدا کرنے والے ہیں۔

سارے عالم کو ہے تیری ہی جستجو
جن و انس و ملک کو تری آرزو
یاد میں تیری ہر ایک ہے سوبسو
بن میں وحشی لگاتے ہیں ضرباتِ ھو
اللّٰہ ، اللّٰہ، اللّٰہ ، اللّٰہ
نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا تیرا
چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا
سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو
اللّٰہ ، اللّٰہ، اللّٰہ ، اللّٰہ
جو ہے غافل تیرے ذکر سے ذوالجلال
اس کی غفلت ہے اس پر وبال ونکال
قعرِ غفلت سے ہم کو خدایا نکال
ہم ہوں ذاکر تیرے اور مذکورہ تو
اللّٰہ ، اللّٰہ، اللّٰہ ، اللّٰہ
وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال
جو نہیں رکھتا منہ اور لسانِ مقال
پھر بھی گویائے تسبیح ہے اس کا حال
اس کی حالِ زباں کہتی ہے تو ہی تو

اللّٰہٗ ، اللّٰہٗ، اللّٰہٗ ، اللّٰہٗ
ہے زبانِ جہاں حمدِ باری میں لال
دَم کوئی حمد کا مارے کس کی مجال
تابا مکان ہم رکھتے ہیں قیل و قال
اس کو مقبول فرمالے رحمت سے تو
اللّٰہٗ ، اللّٰہٗ، اللّٰہٗ ، اللّٰہٗ

ان اشعار سے مخاطب کے دل میں سوز وگداز اور جوش پیدا ہوتا ہے اور کچھ دیر کیلئے ہی سہی وہ حمدِ الٰہی اور ذکر خداوندی میں مصروف ہوجاتا ہے۔اور اسے اپنی غفلت کا احساس ہوتا ہے۔

حمدیہ شاعری کا بدیعی تجزیہ: شعروشاعری کی خوبی اس کی فصاحت و بلاغت، سادگی اور سلاست پر منحصر ہے۔صنائع و بدائع کی رعایت سے فصیح وبلیغ کلام اور حسین ہوجاتا ہے اور شعر کے حسن میں چار چاند لگ جاتا ہے۔جس طرح جوہری حضرات حسن انسانی میں اضافہ کرنے کیلئے قسم قسم کے زیورات تیار کرتے ہیں اسی طرح ایک شاعر عروس کلام کو آراستہ کرنے کے لئے علم بدیع کا سہارا لیتا ہے تاکہ کلام کی خوب صورتی اور حسن میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکے۔علم بدیع یہ بلاغت کا ایک حصہ ہے۔علم بدیع کو صنائع و بدائع بھی کہتے ہیں صنائع و بدائع ،کلام کے لئے بمنزلۂ لباس اور زیور کے ہیں۔عمدہ کلام کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی تاہم قدرتی حسن پر ظاہری آرائش کا اضافہ ہوجائے تو حسن ودل کشی میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔علم بدیع کے دوشعبے ہیں (۱) صنائع لفظی (۲) صنائع معنوی۔ایہام، تضاد، مراعاۃ النظیر ، لف ونشر، مرتب و غیر مرتب تنسیق الصفات، تجاہل عارفانہ، تاکید الذم بمایشبہ المدح وغیرہ کا شمار صنائع معنوی میں ہوتا ہے جب کہ اشتقاق، تجنیس، توشیح، تلمیح، ردالعجز علی الصدر وغیرہ صنائع لفظی کے قبیل سے ہیں۔تفصیل کے لئے علم بدیع ازمولانا رشید احمد، مطبوعہ انجمن ترقی اردو دہلی اور مفتاحِ سخن، از ابرار کرت پور کا مطالعہ کریں۔

حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حمدیہ شاعری میں صنائع و بدائع کا استعمال کرکے اپنے کلام کو خوب سے خوب تر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔صنائع وبدائع کی عطر بیزیاں اور جلوہ طرازیاں ذیل کے اشعار میں ملاحظہ فرمائیں۔

صنعتِ تضاد: اس صنعت کو ''طباق'' بھی کہتے ہیں۔

اصطلاح شعرا میں'' کلام میں دولفظ (یا ان سے زیادہ الفاظ) ایسے لانا جن کے معنوں میں ضد ہو۔مثلاً ؎

نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا
گھٹانا، وصل کی شب کا، بڑھانا

روز، ہجراں کا۔گھٹانا، بڑھانا، روز، شب اور وصل وہجر یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے معانی میں تضاد ہے۔اب کلامِ مفتی اعظم ہند میں اس صنعت کا استعمال دیکھیں۔

قرب و بقاء و وصل میں وہ
بعد و فراق و فصل میں وہ
فرض میں وہ ہے نفل میں وہ
اصل میں وہ ہے نقل میں وہ
آبادی میں ہے بن میں وہ
سر میں وہ ہے عِلن میں وہ
سب ہیں حادث وہ ہے قدیم
کوئی نہیں ہے اس کا ندیم
پیدا اس نے کئے ہیں فخیم
اور اس نے بنائے لئیم

مذہبِ کلامی: کلام واشعار کا دلیل و برہان پر مشتمل ہونا۔یعنی دلیل اس طریقے سے لانا کہ اس سے نتیجہ بطورِ قیاس نکل سکے۔(علم بدیع، صفحہ ۱۸) قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے۔آیت کریمہ ہے''من اصدق منه قیلا '' کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا قول سچا۔قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ٹھہرا۔تو اب لامحالہ کذب اس کے حق میں محال ہوگا، کیونکہ اجتماعِ ضدین محال وناجائز ہے۔

یہ طریقۂ استدلال متکلمین کے طریقے کے مطابق ہے، اس لئے اسے ''مذہبِ کلامی'' کہتے ہیں۔ مفتی اعظم ہند کے اس شعر میں ''مذہبِ کلامی'' کا نمومہ دیکھئے۔

صدقِ رب جب واجب ہے
کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے
عقل کہاں تری غائب ہے

تنسیق الصفات: ایک موصوف کے کئی اوصاف کو متواتر بیان کرنا۔

وہ ہے جوّاد عفوّ وعطوف
ازلی ابدی ہے معروف
قابض و باعث خالق ہے
خافض و وارث رازق ہے

صنعتِ تلمیح: کلام میں کسی آیت، حدیث یا کسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا یہ شعر ''صنعتِ تلمیح'' پر مشتمل ہے۔

حسنِ یوسف پہ کٹی مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

کلامِ نوری میں صنعتِ تلمیح کے جلوے ملاحظہ کریں۔

جب سجدہ کا حکم ہوا
سب نے کیا اس نے نہ کیا
اور متکبر نے یہ بکا
یہ مٹی میں انگارا

ان اشعار میں اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو حکم الٰہی کی تعمیل میں سب سجدے میں گر پڑے اور ابلیس نے ان کار کر دیا اور کٹ حجتی شروع کردی کہ " خلقتنی من نار و خلقته من طین۔ شعر میں اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اللہ ، اللہ و رب واحد
فرد و واحد و تر وصمد
جس کا والد ہے نہ ولد
ذات وصفات میں بے حد وعد

اس میں سورۂ اخلاص کی طرف اشارہ ہے۔

تلمیع: وہ صنعت ہے کہ کوئی شعر دو یا دو سے زیادہ زبانوں میں کہا جائے اسے ''ذولسانین'' بھی کہتے ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ شعر صنعتِ تلمیع میں ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تو رے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اس صنعت میں سرکار مفتیٔ اعظم ہند حمدِ الٰہی میں یوں رطب اللسان ہے۔

لیس الهادی الاهو
کہتا ہے یہ ہر بن مو
سنتا ہوں میں از ہر سو
لیس سواک الا هو
انت الهادی انت الحق
رنگِ باطل اس سے فق

صنعتِ اشتقاق: شعر میں چند ایسے الفاظ لانا جو ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں (علم بدیع، صفحہ ۲۸)

مرزا غالب کا شعر ہے۔

اصلِ شہود و شاہد مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

کلامِ مفتی اعظم ہند میں ''صنعتِ اشتقاق'' کا جلوہ ملاحظہ ہو،

جو ہے غافل تیرے ذکر سے ذو الجلال
اس کی غفلت ہے اس پر وبال و نکال
قعرِ غفلت سے ہم کو خدایا نکال
ہم ہوں ذاکر اور مذکور تو

(بقیہ صفحہ ۱۱ر پر ملاحظہ کریں)

حیات رسول میں پیار ہی پیار

از: الحاج قاری مولانا سید محمد معزالدین قادری شاہجہانپوری سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ بشیریہ نئی بستی قریشیان قادری گلی چندوسی۔ یوپی

آیئے ہم اور آپ سب ملکر اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کریں جو اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیج کر فرمایا جب ہمارے ساتھ کوئی نیکی کرتا ہے تو ہم اس کے احسان مند ہوتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس کے احسان کا بدلہ چکائیں۔ اللہ نے دراصل تمام دنیا پر احسان فرمایا ہے اور ہم مسلمانوں پر خاص طور سے کیونکہ ہم کو اس برگزیدہ نبی کی امت میں پیدا کیا کہ جن کو اگر پیدا نہ کرنا مقصود نہ ہوتا تو آج نہ یہ زمین و آسمان ہوتے، نہ یہ چاند و سورج اور نہ ہم آپ، اسلئے آیئے ہم آپ سب مل کر اللہ کے برگزیدہ نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر پاک سے اپنے قلب کو گرمائیں اور اس بات کا ثبوت دیں کہ ہم اس کے احسان کو جو اس نے ہم پر کیا ہے مانتے ہیں اور ہم اس کے احسان فراموش نہیں بلکہ اس کے شکر گزار بندے ہیں یہ بھی صدقہ ہے جناب محمد رسول ﷺ کا کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو گمراہی سے بچانے کے لئے ہر قدم اور ہر زمان میں اپنے نبی بھیجے وہ سب آئے اور بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے۔ سلام ہے ان سب پر لیکن اسے کیا کیجئے کہ جو آئے وہ جانے کے لئے ہی آئے۔ پھر ہمارے نبی آئے اور آنے ہی کیلئے آئے کیونکہ آپ کی شریعت نے سب اگلی پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اگر میں یہ کہوں کہ اس پوری کائنات عالم میں آپ دولہا کے مانند ہیں تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ رب العزت نے اسی دولہا کی خاطر پوری دنیا کو بنایا اور سنوارا کسی فدائی نے سچ کہا ہے۔

بزم کونین نمائش ہے تمہاری ساری
حق نے یہ بزم تمہیں سے تو سنواری ساری
سب نبی نور محمد ﷺ سے ہوئے ہیں پیدا
اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں جاری ساری

اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ آپ سے قبل جتنے بھی انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان سب کو اس دولہا کا نقیب بنا کر بھیجا گیا ان کے علاوہ سینکڑوں وہ رہبرانِ قوم جنکے قلوب میں تعلیم حق قبول کرنے کی صلاحیت تھی ان میں سے اکثر شاہد تو وہ ہیں جو دیگر ادیان باطلہ کے رہنما مانے جاتے ہیں چنانچہ انہوں نے بھی محسنِ اعظم محمد رسول اللہ کی آمد کی پیشن گوئیاں کیں انہیں میں سے بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ کا نام سرفہرست کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اپنے شاگرد نندا کے ذریعہ پیغام پہونچایا کہ میرے جانے کے بعد وہ آئے گا جس کا لقب میتر یا ہوگا۔ وہ دنیا کو سچائی سے بھر دے گا کون نہیں جانتا کہ میتر یا کے معنی رحمت کے ہیں اور رحمت للعالمین سوائے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہوسکتا ہے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین کہہ کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تمام دنیا کے لوگوں سے ممتاز فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اس کا کھلا ہوا ثبوت موجود ہے۔ میں صرف دو چار مثالیں دے کر اس کی وضاحت کروں گا۔

آپ ﷺ سے پہلے عرب کے لوگ بڑے جاہل تھے۔ وہ اپنی لڑکیوں کو بہت ذلیل اور برا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کو پیدا ہوتے ہی ختم کر دیتے تھے اس حالت کو حالی نے نظم کیا ہے لکھتے ہیں۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

ہمارے پیارے نبی نے جاہل عربوں سے کہکر ان کی یہ بری عادت چھڑادی ان کو بتایا دیکھو اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو ایک سا سمجھو ان کو لکھاؤ اور پڑھاؤ اچھی اچھی باتیں بتاؤ جس سے بڑے ہوکر اللہ کی عبادت کریں اس کے نیک بندے بنیں۔ ذرا غور تو کیجئے ہمارے نبی کریم ﷺ کی عمدہ تعلیم نے جاہل عربوں کے ہاتھ سے کتنے بچوں کی جانیں بچائیں کیا پھر بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ آپ ﷺ بچوں کے لئے رحمت تھے اسی طرح آپ نہ صرف بچوں کی لئے بلکہ بوڑھے، جوان، مرد، عورت سب کیلئے رحمت تھے۔

ایک مرتبہ آپ لوگوں کو نیک باتیں بتانے کیلئے اور ان سے بری باتیں چھڑانے کیلئے طائف تشریف لے گئے۔ طائف مکہ سے ۷۰ میل مغرب میں ہے۔ آپ نے طائف پہونچکر لوگوں کے سامنے اللہ کی بتائی ہوئی سچی باتیں پیش کیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اللہ کی بڑائی اور اس کے رسول ﷺ کی سچائی پر ایمان لے آتے انہوں نے آپ کو جھٹلایا۔ آپ ﷺ کے ساتھ برابرتاؤ کیا۔ آپ کی نرم اور محبت بھری باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اتنے پتھر برسائے کہ آپ لہولہان ہوگئے۔ گھٹنے چور ہوگئے۔ پنڈلیاں زخمی ہوگئیں کپڑے خون سے لال ہوگئے آپ کے غلام زید تلاش کرتے ہوئے پہونچے اور آپ کو سہارا دیکر اٹھایا اور آپ کے پیروں سے جب جوتیاں اتارنا چاہیں تو خون کی وجہ سے وہ تلوے کے ساتھ اس طرح چپک گئیں تھیں کہ ان کا چھڑانا دشوار تھا۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سچی بات کہنے سے بعض دفعہ مصیبت جھیلنا پڑتی ہے۔ لیکن وہ مصیبت تھوڑے دنوں کیلئے ہوتی ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ تاجدار مدینہ سرکار دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اچھی و سچی باتیں کہنے کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آخر میں جیت آپ ﷺ کی ہوئی کیونکہ آپ کو ستانے والے اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور سب کے سب آپ پر ایمان لے آئے لیکن یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت تو جو تکلیف طائف والوں کے ہاتھوں سے آپ کو پہونچی وہ اتنی زیادہ تھی کہ اگر آپ ﷺ ان کے حق مین دعائے ہلاکت کرتے تو یقیناً پورے طائف شہر کی آبادی ہلاک و برباد ہوجاتی جیسا کہ آپ سے پہلے بعض انبیائے کرام کی دعا سے ان کی پوری قومیں ہلاک ہوچکی تھیں۔ مگر چونکہ اللہ نے آپ کو دنیا میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ان لوگوں کیلئے زحمت بن جاتے اسی تکلیف کے عالم میں آپ ﷺ اللہ سے کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں ؎

دعا مانگی الٰہی قوم کو چشم بصیرت دے
الٰہی رحم کر ان پر انہیں تو ہدایت دے
الٰہی رحم کر کہار طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

آپ نے اللہ سے جو کچھ فریاد کی اسے آپنے سنا اس میں ہلاکت کا کہیں نام ونشان تک نہیں اس لئے یہ بات شانِ رحیمی کے خلاف تھی یہ اس لئے نہیں کہ آپ کمزور تھے بلکہ وہ دیکھو جبرائیل امین دست بستہ کھڑے ہیں آپ کے ساتھ ملائکہ کی فوج ہے اور دوسری طرف دیکھئے یہ ملک الجبال یعنی پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے۔ آپ سے فرمان طلب کرتا ہے اور عرض کرتا ہے **یا محمد ذالک لک** اے محمد آپ کو پورا اختیار ہے حکم دیجئے پہاڑوں کو طائف والوں پر الٹ دوں۔ دیکھا آپنے پتھر پھینکنے والوں کا جواب دینے کیلئے آپ کو پہاڑوں پر اختیار دیا جارہا ہے تو کیا آپ نے پہاڑوں کو ان پر الٹ دیا؟ اگر آپ چاہتے تو بڑی آسانی کے ساتھ طائف والوں سے بدلہ لے لیتے لیکن اسی تاریخ نے جس نے نوح کے طوفان، عاد کی آندھی اور موسیٰ کے دربار کے واقعات کو محفوظ رکھا، اس نے ریکارڈ کیا کہ پہاڑ کے فرشتے سے فرمایا جارہا ہے" میں مایوس نہیں ہوں کہ ان طائف والوں کی پشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ کی ہی پوجا کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساتھی نہ مانیں۔"

(بقیہ صفحہ ۱۴ ر پر ملاحظہ کریں)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اوران کا عشق رسول

از: محمد فرمان رضا برکاتی، کٹیہار

اعلیٰ حضرت کی ولادت باسعادت دس ۱۰ رشوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء روز شنبہ بوقت ظہر بریلی شریف محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار ہے جد امجد مولانا رضا علی خاں نے آپ کا اسم مبارک احمد رضا رکھا خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیت کریمہ سے نکالا ہے ’’ **اولئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منه** ‘‘(پارہ ۲۸ رکوع ۳ر آیت نمبر ۲۲ر صفحہ ۵۴۶) یعنی یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔ اور واقعی یہ آیت مبارکہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی صادق آتی ہے کہ آپ کے دل میں بھی ایمان نقش تھا اور آپ کو تائید غیبی بھی حاصل تھی جس کا زمانہ معترف ہے، خود اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے کہ اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ تو دوسرے پر محمد رسول اللہ۔ اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کا سچا عاشق رسول ہونا بالکل محقق اور نا قابل انکار حقیقت ہے کیوں کہ مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی میں عشاق کی وہ تمام علامتیں پائی جاتی ہیں جو صاحب زرقانی نے بیان فرمائی ہیں وہ فرماتے ہیں۔ عشاق اپنے محبوب کا ذکر کثرت سے دائمی طور پر اس طرح کرتے ہیں کہ نہ تو کبھی چھوڑتے ہیں اور نہ کبھی کوتاہی کرتے ہیں اور حکماء کا اس پر اجماع ہے کہ محبِّ محبوب کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اور محبوب کا ذکر محبین کے دلوں پر ایسا غالب ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اس کا بدل چاہتے ہیں اور نہ تو اس سے پھرنا اور اگر ان کا ذکر ان سے جدا ہوجائے تو ان کی زندگی تباہ ہوجائے اور وہ کسی چیز مین لذت وحلاوت نہیں پاتے جو ذکر محبوب میں پاتے ہیں۔ (زرقانی علی المواہب صفحہ ۳۱۴) اعلیٰ حضرت کی ذات مبارکہ میں عشق کی ان علامتوں کا جلوہ ان کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمایئے وہ فرماتے ہیں ۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

عشق صادق کا ہی نتیجہ ہے کہ نازک سے نازک موڑ پر بھی عشق صادق نے آپ کی دستگیری کی اور حدود شرع میں ادب کی سچی راہ دکھائی کتنی عمدگی کے ساتھ جذبۂ عشق کا اظہار کیا ہے اور احتیاط کے دامن کو چھوڑا بھی نہیں ہے، فرماتے ہیں ۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی تو امتحان ہے
اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

حضور سید المرسلین ﷺ سے امام احمد رضا کے عشق صادق کا ہی نتیجہ تھا کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے آپ کو عالم بیداری میں اپنے دیدار پرانوار سے مشرف بھی فرمایا اور نوازنے کیلئے بوقت وصال امام احمد رضا کا بارگاہ نبوی میں انتظار بھی ہو رہا تھا۔

دیدار کا واقعہ یہ ہے: جب آپ دوسری مرتبہ ۱۳۲۴ھ میں آقائے دو جہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار کے ساتھ مواجۂ عالیہ میں درود شریف پڑھتے رہے اور انہیں امید تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ ضرور میری عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارت جمال جہاں آراء سے سرفراز فرمائیں گے لیکن پہلی شب تکمیل آرزو نہ ہوئی تو کچھ وارفتۂ خاطر ہوکر یاس وحسرت کے عالم میں بے چین و بیقرار ہوکر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ایک کلام لکھنا شروع کیا جس کا مطلع یہ ہے ۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

تقریباً پندرہ اشعار لکھنے کے بعد مقطع میں عاشق مصطفیٰ کا ناز ایک جلیل القدر ولی کامل کا عرفان پھر بے کسی ومحرومی عاجزی وانکساری کے ساتھ یوں اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں عرض کرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں غزل کے یہ اشعار پڑھنے کے بعد مؤدب ومنتظر بیٹھ

گئے نبی رحمت ﷺ کو عاشق زار کی وارفتگی بھری حالت پر رحم آ گیا قسمت جاگ اٹھی حجاب اٹھا اور عالم بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت اور جمال جہاں آراء کے دیدار سے شرف یاب ہوئے اس لئے آپ اپنے آقا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

اعلیٰ حضرت نے اس نعت شریف میں اپنے آپ کو در رسول ﷺ کا کتا کہا ہے لیکن عاشقان رضا یہاں آ کر جھجک محسوس کرتے ہیں بعض حضرات تو کتے کو تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں سے تبدیل کر کے پڑھتے ہیں اگر چہ امام کی بارگاہ میں یہ ان حضرات کا کمال ادب و محبت ہے مگر عاشق اسی لفظ سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو وہ اپنے محبوب کیلئے خود انتخاب کرے۔ پھر دوسری بات یہ کہ آپ کہاں کہاں ترمیم کریں گے۔ اعلیٰ حضرت نے تو حدائق بخشش میں متعدد مقامات پر اپنے آپ کیلئے لفظ سگ کا انتخاب فرمایا ہے، جس میں آپ کی عقیدت و محبت عاجزی وانکساری کا جلوہ نظر آتا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا
ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ
رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تو اور آہ کے اتنا دماغ لے کے چلے
خوف ہے سمع خراشی سگِ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالہ و افغاں ہم کو

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عقیدت ملاحظہ فرمائیں کہ محبوب خدا ﷺ کے سگان کو سے اپنی جان کا تحفہ و نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں بلکہ یہ نذرانہ پیش نہ کر سکے تو کمال حسرت کا اظہار فرمایا بلکہ حضور سید عالم ﷺ کے نور سے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کی محبت کا یہ حال تھا کہ عرض کرتے ہیں۔

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

اور بوقت وصال بارگاہ نبوی میں آپ کے انتظار کا واقعہ یہ ہے کہ ملک شام میں ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ بہت ہی عالی شان دربار لگا ہوا ہے بے شمار نورانی ہستیاں موجود ہیں اور ایک نورانی تخت ہے جس پر آقائے دوجہاں سرور کون ومکاں مالک وانس وجاں حضور تاجدار عرب و عجم ﷺ جلوہ افروز ہیں پورے مجمع میں سناٹا چھایا ہوا ہے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار کیا جا رہا ہواس بزرگ نے سکوت توڑتے ہوئے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان کس کا انتظار فرمایا جا رہا ہے؟ آقائے سرور کونین ﷺ نے اپنے لب مبارک کو جنبش دی لبوں سے پھول جھڑنے لگے یوں ارشاد فرمایا ''ہمیں ہند کے احمد رضا کا انتظار ہے'' وہ بزرگ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ کون احمد رضا؟ آقا و مولیٰ پیارے مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہندوستان میں بریلی کے رہنے والے ہیں پھر وہ بزرگ نیند سے بیدار ہو گئے امام اہلسنت کی غائبانہ عقیدت دل میں جذب ہو گئی اور اس خوش نصیب کی زیارت کا شوق دل میں موجیں مار رہا تھا کہ یقیناً احمد رضا ہندی، کسی زبردست عاشق رسول ﷺ کا نام ہے۔ اس کی زیارت کر کے عشق رسول کا کچھ صدقہ حاصل کرنا چاہئے چنانچہ وہ شامی بزرگ ملک شام سے بریلی شریف کی جانب روانہ ہو گئے۔

بریلی شریف پہونچ کر لوگوں سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی قیام گاہ کا پتا پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اعلیٰ حضرت کا ۲۵ر صفر المظفر کو انتقال ہو گیا ہے۔

شامی بزرگ نے انتقال کا وقت دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ آپ کے وصال کے وقت دو پہر کے دو بجکر اڑتالیس منٹ (ہندوستان کے وقت کے مطابق) ہوئے تھے یہ سن کر وہ شامی بزرگ آبدیدہ ہو گئے کیونکہ جب انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کا دیدار کیا تھا اور سرکار اقدس ﷺ نے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''ہمیں احمد رضا ہندی کا انتظار ہے'' وہ دن ۲۵ر صفر ہی کا دن تھا اور وقت بھی تقریباً وہی تھا اس وقت تعبیر نہ سمجھ سکے اب سمجھ میں آ چکی تھی۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کر خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

(مقالات یوم رضا)

تقدیر و تدبیر کی شرعی حیثیت

از: انتخاب عارف صدیقی ابن لقاء صدیقی سرائے کہنہ امروہہ (یوپی)

تقدیر کے لفظی معنی اندازہ کرنے اور اس اندازہ کے مطابق فیصلہ کر لینے کے ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں رب کریم کے اس فیصلے کو تقدیر کہا گیا ہے جو اس کائنات و مخلوقات اور بطورِ خاص انسان کے بارے میں کر دیا ہے۔ ان تقدیری فیصلوں سے انسان چونکہ ناواقف ہیں اس لئے جو بھی پیش آئے اسے فیصلہ تقدیر کہتے ہیں۔ عقائد و ایمان میں ساتویں چیز تقدیر ہے اس پر ایمان لانا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اکابرین امت نے تقدیر کی تین قسمیں ارشاد فرمائی ہیں۔ جو یہ ہے۔

(۱) قضائے مبرم حقیقی (۲) قضائے معلق (۳) اور قضائے مبرم غیر حقیقی

قضائے مبرم حقیقی لوحِ محفوظ میں تحریر ہے اور علم الٰہی میں کسی شئے پر معلق نہیں اس کا بدلنا ناممکن ہے رب کریم کے اگر محبوب و مقرب بندے بھی اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرنے لگیں۔ تو انہیں اس خیال سے واپس فرما دیا جاتا ہے۔ تقدیر کی دوسری قسم جسے قضائے معلق کہا جاتا ہے اس کا صحف ملائکہ میں کسی شئے پر معلق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہے۔ اس تک اکثر اولیائے کاملین کی رسائی ہوتی ہے۔ ایسی ہی تقدیر کے بارے میں آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے'' والدین کی خدمت اور بعض نیکیوں سے خیر و برکت کی طرف تبدیل ہو جاتی ہے اور اسی طرح گناہ و ظلم اور والدین کی نافرمانی وغیرہ سے نقصان کی صرف تبدیل ہو جاتی ہے۔ تقدیر کی تیسری قسم کو قضائے مبرم غیر حقیقی کہا گیا ہے یہ صحف ملائکہ کے اعتبار سے مبرم ہے مگر علم الٰہی میں معلق ہے اس تک خاص اکابر کی رسائی ہوتی ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیاء علیہ السلام کے علاوہ مقرب و محبوب اولیاء کی توجہ اور پر خلوص دعاؤں سے بھی یہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ قندیل نورانی، شہباز لامکانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سرکارِ بغداد سرکارِ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں'' اسی تقدیر کے بارے میں کسی شاعر نے کہا۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی
کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں

مثال کے طور پر فرشتوں کے صحیفوں میں زید کی عمر ۶۰ برس تھی اس نے سرکشی و نافرمانی کی تو ۲۰ برس پہلے اس کی موت کا حکم آ گیا یا اس نے نیکیاں کیں ۲۰ برس مزید زندگی کا حکم صادر فرما دیا گیا۔ یہ تقدیر میں تبدیلی ہوئی لیکن علم الٰہی اور لوحِ محفوظ مین وہی ۴۰ یا ۸۰ برس لکھی ہوئی تھی اور اس کے مطابق ہوا۔ علمائے دین فرماتے ہیں قضا اور قدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آ سکتے ان میں بحث و مباحثہ اور زیادہ غور و فکر کرنا ہلاکت و گمراہی کا سبب ہے۔ روایات میں آتا ہے صحابۂ کرام اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ جب ان نفوس قدسیہ کو منع فرما دیا گیا تو ہم کس گنتی میں ہیں جو بحث کریں بس اتنا سمجھ لیجئے کہ رب کریم نے آدمی کو پتھر کی طرح بے اختیار و مجبور نہیں پیدا کیا بلکہ اسے ایک طرح کا اختیار دیا ہے کہ وہ کوئی کام چاہے کرے چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ اپنے بھلے برے اور نفع نقصان کو پہچان سکے اور اس کیلئے ہر قسم کے اسباب بھی مہیا کر دیئے ہیں جب بندہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے اسباب اختیار کرتا ہے اسی بنا پر مؤاخذہ اور جزا و سزا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا گمراہی ہے۔ اولیائے کاملین فرماتے ہیں کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ مجبور اس لئے کہ رب کریم اپنی مشیت کے تحت اسے جس گھرانے میں چاہے پیدا کر دے، جو رنگ و روپ اور صلاحیتیں بلکہ

جو کچھ عطاء کرنا چاہے عطاء کردے۔ اس پر چون و چرا نہیں کی جاسکتی۔ مختار اس لئے کہ چاہے اچھا کرے چاہے برا۔ اس دنیا میں اس پر اللہ کی طرف سے کوئی روک نہیں (ممانعت شرعیہ البتہ ہے)۔ آخرت میں البتہ جواب دہی کرنی ہوگی۔ کیونکہ جو کچھ کیا وہ اپنے اختیار سے وہ مال و دولت، رزق جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے دنیا میں آنے کے پہلے ہی بخش دیا ہے محنت اور تدبیر کرکے حاصل کرے۔ خواہ سب کا سب یا اپنی محنت کے لحاظ سے اس کا ایک حصہ اس پر بھی کوئی روک نہیں۔ وہ باتیں جن کے لئے وہ مجبور ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور وہ باتیں جن پر اسے مختاری حاصل ہے اللہ عز و جل کے علم میں ہیں اور اسی کی طرف سے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ انسان اپنے اختیار سے کام کرکے کیا کرے گا اور کیا نہ کرے گا لہذا اس نے یہ تمام باتیں لکھ دی ہیں۔ یہی تقدیر ہے اور تقدیر پر ایمان رکھنا فرض ہے لیکن اس کی کیفیات پر بحث کرنا منع ہے۔ قضاء وقدر کا اعتقاد شعب ایمان میں ہے کتاب وسنت اور اجماع امت اس پر شاہد عدل ہیں۔ فرقہ قدریہ اس کا منکر ہے۔ جو فرمانِ نبی ہے کہ اس امت کے مجوس ہیں "**القدرية مجوس هذه الامة**"

تذکرۂ تقدیر از روئے احادیث: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کریم نے آسمان و زمین کی تخلیق سے ۵۰/ ہزار برس قبل مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا۔ یعنی لوحِ محفوظ پر ثبت فرمادیا۔ حضرت عباس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے جو چیز رب کریم نے پیدا کی وہ قلم ہے رب تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا لکھ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر تو قلم نے لکھا جو کچھ ہونے والا تھا اور جو کچھ ہو چکا تھا۔ ملاعلی قاری حنفی علیہ الرحمہ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں فرماتے ہیں "قلم کی اولیت اضافی ہے اور حقیقی نورِ محمدی ﷺ ہے"۔ حضرت مطر بن عکامس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب رب کریم کسی شخص کی موت کسی زمین پر مقدر کر دیتا ہے تو اس زمین کی طرف اس کی حاجت کر دیتا ہے۔

حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جو منتر پڑھتے ہیں کیا یہ چیزیں اللہ کریم کی قضاء وقدر کو بدل دیتی ہے آپ نے فرمایا یہ چیزیں بھی رب کریم کی قضاء وقدر سے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ پر بحث کررہے تھے آپ ﷺ تشریف لئے آئے آپ کے چہرہ اقدس پر غصے کے آثار ظاہر تھے۔ چہرۂ اقدس سرخ گویا انار کے دانے آپ کے عارضِ اقدس پر نچوڑ دیئے گئے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو اسی کا کام دیا گیا ہے کیا میں تمہاری طرف ایسی چیز کے ساتھ بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے قومیں ہلاک نہیں ہوئیں مگر جب کہ قضا وقدر کے مسئلہ میں انہوں نے مباحثہ کیا میں تمہیں قسم دیتا ہوں اور مکرر قسم دیتا ہوں کہ آئندہ اس مسئلہ میں بحث نہ کرنا۔ تقدیر برحق ہے اس کا انکار کرنا گمراہی اور بدمذہبی ہے ہر مسلمان کو ایمان مفصل کے ذریعہ سچے دل سے اقرار کرنا ہوتا ہے "**و القدر خيره و شره من الله تعالىٰ**" یعنی دنیا میں جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے سب تقدیر (منشائے الٰہی) سے ہوتا ہے تقدیر کا انکار کرنے والا اہلسنت سے خارج ہے رب تعالیٰ نے ہر بھلائی و برائی اپنے علم ازلی کے موقف مقدر فرمادی جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اپنے علمِ ازلی سے جان کر لکھ دیا۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے یونہی تدبیر کو عبث و مطرود و فضول و مردود بتانا کھلی گمراہی یا سچے مجنوں کا کام ہے جس کی وجہ سے بے شمار آیاتِ مبارکہ احادیث کریمہ سے اعراض اور انبیاء وائمہ وصحابہ پر طعن واعتراض لازم آتا ہے۔ غرض یہ تقدیر و تدبیر پر یقین رکھنا چاہئے اللہ کی بنائی ہوئی اسباب سے بھری اس دنیا میں اللہ واحد لاشریک کے پیدا کردہ اسباب کو ملحوظ رکھ کر قدم اٹھائے پھر دیکھ تقدیر و تدبیر کس طرح گلے ملتی ہے مزید تفصیلات کیلئے سرکار اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کا تحریر کردہ رسالہ "تقدیر و تدبیر" کا مطالعہ کریں۔ اولیائے کاملین نے ارشاد فرمایا رب کریم نے ہر انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ ایک کام چاہے کرے یا نہ کرے اسی اختیار کی بنا پر نیکی و بدی کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے

(بقیہ صفحہ ۲۲/ پر ملاحظہ کریں)

امام احمد رضا اور خانقاہوں کا تحفظ

مولانا مزمل حسین رضوی منظری متعلم تخصص فی الفقہ سال اول جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

جب جب عظمت اولیاء وانبیاء کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی، ان کی محبتوں کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کی کوشش کی گئی، طرح طرح کے فتنوں نے جنم لیا تب تب اللہ نے اپنے چنندہ بندوں کو لوگوں کی رہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا تاکہ ان فتنوں کا سد باب ہوسکے انہیں فتنوں میں سے فرقۂ نجدیہ ووہابیہ اور دیوبندیہ بھی ہے جس نے تنقیص انبیاء واولیاء کے تعلق سے عقائد فاسدہ باطلہ کی تشہیر کے ساتھ ساتھ انبیاء واولیاء کے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت رکھنے والے مومنوں پر طلب استعانت اور استغاثہ کی بنیاد پر شرک کے فتنوں کی بھرمار کردی۔ ابتدائے اسلام سے جو اعتقادات مستحب و مندوب (مشروع) تھے اور صدیوں سے جن پر عمل صالحین امت اور علمائے ملت کرتے آرہے تھے ان تمام افعال مستحبہ کو فرقۂ وہابیہ نے شرک قرار دیا چنانچہ مشہور امام وہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان صفحہ ۲۳ پر لکھا، عالم میں تصرف کرنا، اقبال وامداد، دنیوی مرادیں پوری کرنا، حاجت برتنا، مصیبت میں دستگیری کرنا، برے وقت میں اعانت یہ سب اللہ کی شان ہے کسی نبی، ولی شہید، بھوت پری کی یہ شان نہیں جو شخص کسی کا ایسا تصرف ثابت کرے اس سے مرادیں مانگے اس امید پر اس کی نذر و نیاز کرے اس کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہے۔ معاذ اللہ اسی فرقے نے مزارات صحابہ ومزارات ازواج مطہرات اہل بیت اطہار کو مٹانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، اللہ والوں کے مزارات سے روکنے کی کوشش کی چنانچہ فرقۂ وہابیہ کے امام مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ بالاتفاق قبور سے اس طور پر دعا کرنا کہ صاحب قبر میرا کام کردے تو یہ حرام وشرک بالاتفاق (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۱۱) ایسا ہی مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں ایک مقام پر لکھا وہاں منتیں ماننا، اس پر غلاف ڈلنا، اس کے اردگرد روشنی کرنا، فرش بچھانا، پانی پلانا، جو اس قسم کی باتیں کرے اس پر شرک ثابت ہے' اسی طرح کہیں پر گنبد کو توڑنے کی تیاری کی یہاں تک کہ گنبد خضریٰ کو منہدم کرنے کی آواز اٹھائی گئی خانقاہی نظام کو تہہ وبالا کرنے کی کوششیں شدت سے جاری تھیں ایسے پرفتن دور میں کوئی خانقاہوں کا محافظ نظر نہیں آرہا تھا سب کے قلم غیر متحرک تھے دنیا والوں کے ڈرخوف کی وجہ یا اقتدار ومنصب کے سبب زبانوں پر قفل لگا ہوا تھا ایسے پرفتن دور میں اللہ نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کو پیدا فرمایا آپ نے قلم اٹھا کر دنیا کی خانقاہوں پر احسان فرمایا اور خانقاہوں کے تحفظ کی خاطر بدمذہبوں کا رد بلیغ فرمایا قرآن وحدیث اور کتب سلف صالحین کے حوالوں سے ان کے تمام اعتراضات کا ایسا جواب دیا کہ جواب الجواب لکھنے کا تصور بھی نہ کرسکے۔ آپ نے علمائے دیوبند کے تمام شبہات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ بزرگان دین کے مزارات کی عظمت اور شان و وقعت میں جو کتابیں تصنیف فرمائیں، جو اقوال پیش فرمائے اور جو فتاویٰ دئے ان کا مطالعہ کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم علم کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہیں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتابیں ثبوت کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۱) بریق المنار بشموع المزار (۲) طوالع النور فی حکم السراج علی القبور (۳) جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور (۴) الامر باحترام المقابر (۵) ھلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین

ان تمام کتب میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے جو خانقاہی نظام کی حفاظت کی ہے اسکی نظیر نہیں ملتی کوئی بھی خانقاہوں کا حمایتی نہیں تھا سب کے قلم طاقوں کی زینت بنے ہوئے تھے زبانیں مقفل ہوچکی تھیں ایسے پرفتن دور میں آپ نے سب کا جواب دیا چنانچہ جب کسی

نے استفتاء کیا پیر و مرشد کے مزار کا طواف کرنا اور مزار وکی چوکھٹ کو چومنا بوسہ دینا، آنکھوں سے لگانا مزار سے الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں جواب عطا فرمایا ''مزار کا طواف بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے تعظیم با الطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے مزار کو بوسہ نہ دینا چاہئے علماء اس میں مختلف ہیں بچنا بہتر ہے اور اس میں ادب زیادہ ہے آستانہ بوسی میں کوئی حرج نہیں آنکھوں سے لگانا بھی جائز ہے کہ اس سے شرع میں ممانعت نہیں آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہیں کیا وہ منع نہیں ہاتھ باندھے الٹے پاؤں واپس آنا ایک طرح ادب ہے جس ادب سے شرع نے منع نہیں فرمایا اس میں حرج نہیں ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسروں کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کرنا چاہئے (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۸) اسی طرح کسی نے استفتاء کیا کہ کسی اولیاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہا کے مزار پر پھول ڈالنا یا کپڑے کی چادر منت مان کر چڑھانا جائز ہے یا نہیں جواب تحریر فرمایا یہ منت کوئی شرعی نہیں ہاں پھول چڑھانا حسن ہے اور قبور اولیائے کرام قدسنا اللہ باسرارہم پر بقصد تبریک ڈالنا مستحسن ہے قال اللہ تعالیٰ ذالک ان یعرفن فلا یؤذین امام عارف با اللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ نے کشف النور عن اصحاب القبور میں اس کی تصریح فرمائی ہے علامہ شامی نے عقود دریہ میں اسے نقل کیا ہے اور مقرر رکھا ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۹۸) ایسا ہی جب سوال کیا گیا کہ ''چراغ جلانا مزارات اولیائے کرام پر اور روشنی کرنا بزرگان دین کی قبور پر جائز ہے یا ناجائز اور چادریں چڑھانا بزرگوں کی زیارتوں پر مع باجہ کے جیسا کہ آج کل فی زمانہ دستور ہے کہ ہر جمعرات کو چراغ جلاتے ہیں چادریں رنگین سبز سرخ مع باجہ کے لاتے ہیں اور چڑھاتے ہیں اور جو اشیاء کہ شیرینی یا چاول وغیرہ لاتے ہیں ان کی قبروں پر رکھ دیتے ہیں پس از روئے شرع قرآن و حدیث درست ہے یا نہیں'' بینو و توجروا آپ اس کا جواب عطا فرماتے ہیں ''اصل یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **انما الاعمال باالنیات** اور جو کام دینی فائدے اور دنیوی نفع جائز دونوں سے خالی ہو عبث ہے اور عبث مکروہ ہے اس میں مال صرف کرنا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے **قال اللہ تعالیٰ ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین** اور مسلمانوں کو نفع پہچانا بلاشبہ محبوب شارع ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ** رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور معظمات دینی کی تعظیم قطعا مطلوب ہے **قال اللہ تعالی و من یعظم شعائر اللہ فانها من تقویٰ القلوب و من یعظم حرمت اللہ فهو خیر له عنه ربه** کسی ولی اللہ کا مزار ہو یا محققین علماء سے کسی عالم کا ہو وہاں شمعیں روشن کریں ان کی روح کی تعظیم کے لئے تاکہ لوگ جانیں کہ یہ کسی ولی اللہ کا مزار ہے۔ اور صاحب مزار سے تبرک حاصل کریں دعا مانگیں کہ دعا مقبول ہو یہ امر جائز ہے جب کسی فائدے کیلئے ہو ہرگز منع نہیں شمع روشن کرنا اس لئے کہ روشنی دلیل اعتناء، اعتناء دلیل تعظیم ہے تعظیم اہل اللہ دلیل ایمان موجب رحمٰن ہے اسی طرح اولیاء وعلمائے کرام کے مزارات پر عمارتیں بنانا مباح قرار دیا سلف وخلف علماء عظام نے اسے جائز رکھا ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۱۴۴) اور فرمایا قبور اولیائے کرام وعباد اللہ صالحین بلکہ عام مقابر مومنین ضرور مستحق ادب وتکریم ہیں لہذا ان پر بیٹھنا ممنوع چلنا ممنوع پاؤں رکھنا ممنوع یہاں تک ان سے تکیہ لگانا ممنوع (احکام شریعت صفحہ ۶۸ جلد اول) عورتوں کے متعلق تحریر فرمایا جب کسی نے سوال کیا ''کہ عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا عورتوں کو مزارات اولیاء اور عام مقابر پر جانے کی ممانعت ہے کہ سرکار نے فرمایا **لعن اللہ تعالیٰ زائرات القبور** اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں'' جب سوال کیا قوالی جو عرسوں میں ہوتی ہیں مزامیر کے ساتھ ہوتی ہیں بزرگ لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں یہ فعل ان کا کیسا ہے؟ ''خالی قوالی جائز ہیں، مزامیر حرام ہے زیادہ غلو اب منتسبان سلسلہ چشتیہ کو ہے حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی فرماتے ہیں فوائد الفواد میں ''مزامیر حرام است'' اور شریف الملۃ واشرف الدین یحییٰ منیری نے مزامیر کو زنا سے تعبیر کیا ہے۔ ایسے پیروں کا یہ فعل خلاف شرع ہے ایسے لوگوں سے بیعت بھی صحیح نہیں'' ان جوابات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت نے مزارات پر آنے والے زائرین کو فاتحہ پڑھنے، سلام پیش کرنے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ کریں)

شفق اور صبح۔ایک تحقیقی جائزہ

از: مفتی رفیق الاسلام جامعہ شکوریہ بلہور کانپور

ہمارے مدرسہ کے باوقار اساتذہ کے درمیان صبح صادق اور وقت مغرب کے موضع پر گفتگو ہورہی تھی۔ وہ علاقے زیر بحث تھے جوعرض بلد کے لحاظ سے مقامات بعیدہ پرواقع ہیں بالخصوص لندن پر سب کی نگاہیں مرکوز تھیں توجہ کا محور جون کا مہینہ تھا وہاں کے باشندوں کے مطابق شفق ابیض غروب بھی نہیں ہوتا ہے کہ صبح طلوع کرآتی ہے۔ عشاء کا وقت ملتا ہی نہیں ۔شفق مغرب اسی کو وقت مغرب بتارہا ہے جبکہ شفق مشرق اسی کو وقت فجر بتارہا ہے۔ عام مسلمان تشویش میں مبتلا ہیں پھر وقت عشا کی قضا پڑھیں یا ترک کریں۔ادا کی تو گنجائش ہی نہیں درمیان مباحثہ ان لوگوں نے تین سوالات مرتب کئے جو بالترتیب مندرجہ ذیل میں

(۱) جن خطوں میں غروب آفتاب کے ساتھ ہی صبح ہوجاتی ہے یا جہاں غروب شفق احمر کے بعد ایک دومنٹ یا اس سے بھی کم وقفہ سے صبح ہوجاتی ہے وہاں عشاء کی کیا صورت ہوگی کہ عشاء کا وقت حنفی وہاں ملا ہی نہیں۔

(۲) طلوع صبح صادق کے بعد عشاء پڑھی جائے تو فجر کی نماز سے پہلے پڑھی جائے یا فجر کی نماز کے بعد

(۳) چونکہ ان ایام میں شفق ابیض اور صبح صادق ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں لہذا وقت کے اعتبار سے ان میں تمیز کی صورت کیا ہوگی؟

یقیناً یہ بڑے اہم سوالات ہیں باوقار علمائے اہلسنت و عمائدین ملت سے اطمینان بخش جواب کی امید ہے پھر بھی ہمارے اسلاف نے چونکہ رائے زنی کی آزادی دی ہے اسی لئے میں نے بھی اپنی رائے کو تحریری شکل دینے کی کوشش کی اور نقوش کے لبادے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

مشائخ کرام کے پاس ''بلغاریہ'' سے اسی طرح کا ایک مسئلہ آیا تھا جس میں گرمی کے کچھ ایام میں وقت عشاء کے بارے میں سوال تھا آج کی برق رفتار سواریوں کی وجہ سے کرۂ زمین چھوٹا نظر آرہا ہے انٹرنیٹ کے انقلاب نے اسے اٹھا کر ہتھیلی پر رکھدیا ہے اسی جہاں نمائی کا نتیجہ ہے کہ جدید مسائل کے انبار میں لوگ ان میں اپنی اپنی طبع آزمائی بھی کررہے ہیں بالخصوص علمائے اہلسنت کی جانفشانی قابل تحسین ہے۔ترقی کی عینک سے اوج ثریا کو دیکھنے والوں کی بھی رہنمائی انہیں حضرات کی ذمہ داری ہے۔اگرچہ ان کی آنکھوں پر ترقی کا یہ چشمہ نہیں ہے۔لیکن شریعت مطہرہ کی روشی اور ان کی قلبی پاکیزگی کی بینائی پر باطل اذہان محوحیرت ہیں اس لئے کہ اسلام جیسے مقدس دین پر نہ ملک کی سرحدیں اثر انداز ہیں اور نہ حوادث زمانے کا اس کو کوئی خطرہ ہے کہ اس کا ہر ایک قانون ہر ایک ضابطہ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ان میں ضعف یا پھر ان پر ایراد نقص قلت تأ مل یا پھر علت قلب کی پیداوار ہے۔شعبہائے زندگی کا ہر ایک پہلو اور روئے زمین کا ہر ایک گوشہ اس کی ضیاباری سے روشن اور تابناک ہے لہذا اہم ان سوالوں کو بایں نظر بھی دیکھ سکتے ہیں کہ جب دائرہ اول السموات دائرہ افق اور دائرہ نصف النہار ہماری نظروں میں بالکل ممیز ہیں تو ظاہر ہے کہ دائرہ نصف النہار کا مرور باقی دونوں دوائر کے اقطاب اربعہ سے ہے جو معدل سے ان کے بعید ترین نقاط اربعہ ہیں ان میں سے ایک نقطۂ ''سمت الراس'' دوسرا ''نقطۂ سمت القدم'' ہے باقی دونوں میں سے جو قطب شمالی سے قریب تر ہے وہ نقطۂ شمال اس کے مقاطر کو جنوب کہا جائے گا عالم کا وہ حصہ جو نقطۂ سمت القدم کے مقابلہ میں نقطۂ سمت الراس سے قریب تر ہووہ بالائے افق حقیقی ہوگا ورنہ زیریں افق قرار پائیگا۔ہمارے نصف النہار نے دائرہ افق کو مشرقی اور مغربی دو برابر قوس پر تقسیم کردیا ہے۔جبکہ یہ خود بھی اس سے دو برابر حصوں میں منقسم ہوگیا ہے۔وہ حصہ جو نقطۂ سمت الراس

پرگزرا قوس نہاری ہے اس کے مقابلہ میں نقطۂ سمت القدم سے مار قوس لیلی ہے ان دونوں دائروں نے ملکر دائرہ یومیہ کو بھی چار حصوں میں منقسم کردیا ہے۔ شرقی نہاری۔ غربی نہاری۔ غربی لیلی، شرقی لیلی اس کی چار قوسیں ہیں آفتاب جب تک شرقی نہاری میں ہے تو یہ وقت پنجوقتہ نمازوں میں سے کسی کا ظرف نہیں ہے۔ غربی نہاری میں ظہر اور عصر ہیں لیلی غربی میں وقت مغرب جبکہ لیلی شرقی میں وقت فجر دونوں کا وقت برابر قرب افق میں۔ وقت مغرب غربی افق سے قریب۔ وقت فجر شرقی افق سے قریب۔ امتداد دونوں میں برابر۔ وقت عشاء لیلی غربی سے لیلی شرقی تک جس سے وقت مغرب اور وقت فجر مستثنیٰ ہیں۔ قابل توجہ یہ بھی ہے کہ نصف النہار کی قوس نہاری شرعا قوس لیلی سے بڑی ہوگی اس لئے کہ شریعت میں اعتبار افق حسی بالمعنی الثانی کا ہے ذکر نہ کہ افق حقیقی کا۔ حضور اعلیٰ حضرت رضوان اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ''افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب سے۔ اسی پر انطباق مرکز جانب مشرق تک شب نجومی ہے۔ اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارۂ آخرین شمس جانب غرب سے اسی افق سے ارتفاع کنارۂ اولین شمس جانب شرق تک شب عرفی ہے اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں۔ اور افق حسی مذکور پے تجاوز کنارۂ آخرین شمس سے طلوع فجر صادق تک شب شرعی ہے۔ تحصیل فجر میں بھی جانب طلوع شمس کے کہ دقائق انکسار وقت باقی سے مستثنیٰ میں''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۴ صفحہ۶۱۹ یہاں دائرہ یومیہ کی وضاحت کے ساتھ شب کے بارے میں تین اصطلاحیں موجود ہیں) یہ صرف نزاع لفظی نہیں بلکہ حقیقت میں تینوں کے تحقق جدا ہیں اور شرع مطہرہ میں افق حسی بالمعنی الثانی کا اعتبار ہے۔ جبکہ اہل نجوم نے افق حقیقی کا اعتبار کیا ہے اس کے علاوہ نصف قطر شمس اور انکسار شعاع بصری میں بھی ہمارا نجومیوں سے اختلاف ہے۔ ان اصول وضوابط کے مدنظر مدارج آفتاب پر نظر ڈالیں تو مزید اور بھی کچھ انکشافات رونما ہوتے ہیں۔ سورج جب افق پر ہو یعنی افق حسی مذکور پر مرکز شمس کا انطباق ہو تو وہ بالکل سرخ دہکتی ہوئی آگ کا ایک گولا نظر آئے گا لیکن جیسے جیسے افق سے بعد بڑھتا جاتا ہے شعاع بصری کے سامنے کی مسافت میں تناقص ہوتا جاتا ہے اور سرخی میں بھی پھیکا پن آتا جاتا ہے پھر ایک بعد ایسا آتا ہے کہ یہ سرخی سپیدی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور یہ اٹھارہ درجہ کے انحطاط تک قائم رہتی ہے اسی کا نام جانب شرق صبح صادق اور جانب غرب شفق ابیض ہے یہی بعد اگر بالائے افق ہو تو یہ سرخی جانب شرق دن کے اجالے میں ضم ہوجائے گی اور جانب غرب ہو تو دن کے اجالے سے یہ نمودار ہوگی اس سے صاف ظاہر ہے کہ افق سے قرب یا بعد کی وجہ سے آفتاب کی کرنوں پر تین طرح کے عوارض پائے گئے اور امتداد زمانہ کے ساتھ جانب مغرب انحطاطی بعد میں تزاید ہوگا جبکہ جانب مشرق اسی مین تناقص ہوگا۔ جانب غرب انہیں حالتوں کو بالترتیب، شفق احمر شفق ابیض مستطیر شفق ابیض مستطیل کہا جاتا ہے چار کتابوں کے حوالے سے حضور اعلیٰ حضرت نے یہ عبارت نقل فرمائی۔ ''البیاض لا یذھب الاقرب من ثلث اللیل'' اس پر مزید سرکار اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے'' یہ وہی سپیدی مستطیل ہے جسے وہ اپنے ملک میں ''تہائی رات کے قریب تک رہتی ہے''۔ فرماتے ہیں (فتاویٰ رضویہ جلد۴ صفحہ۶۴۶)

یہاں تو بیاض مستطیل آخر میں پایا گیا اس کے برعکس مشرق میں تینوں حالتوں کے تغیر میں یہی سب سے پہلے پایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہاں امتداد زمانہ کے ساتھ بعد میں تناقص ہے جبکہ لیلی غربی میں تزاید تھا اسی بیاض کو ''جانب شرق صبح کاذب'' کہا گیا۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی کہ ''**یعقبہ ظلمۃ فالا فق یکذبہ** اس پر سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ''یعنی اس کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے تو یہ سپیدی کہہ رہی ہے کہ صبح ہوگئی مگر افق اس کی تکذیب کرتی ہے۔ لہذا اسے صبح کاذب کہتے ہیں اس کے معنی بعض علمائے زمانہ قریب نے یہ سمجھ لئے کہ صبح کاذب کی سپیدی جاکر اس کے بعد اندھیرا ہوجاتا ہے پھر صبح صادق نکلتی ہے'' حالانکہ یہ محض باطل ہے صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے۔ وہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ہرگز غروب آفتاب تک وہاں تاریکی نہیں آتی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۴ صفحہ۶۲۳)

جانب مغرب غروب شمس کے بعد پہلے اجالے میں سرخی تھی کچھ دیر بعد صرف اجالا رہ گیا تھا سرخی غائب ہوگئی تھی پھر کچھ دیر

بعد اس اجالے نے بھی بیاض مستطیل کی شکل اختیار کر لی اور اس میں بھی تناقص برقرار رہا پھر رات کی تاریکی میں وہ کھو گیا جو سپیدی یہاں رات کی تاریکی میں کھوگئی تھی وہی مشرق میں رات کے پردے سے ظاہر ہوگئی یہی صبح کاذب ہے یہی ترقی کرتے کرتے پہلے صبح مستطیر پھر صبح احمر پھر دن کے اجالے میں ختم ہوجائے گی۔اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مغرب میں اس اجالے میں تناقص ہے جبکہ مشرق میں امتداد زمانہ کے ساتھ اسی میں تزاید ہے۔اب ان وضاحتوں کے بعد ان تینوں سوالوں کا یوں بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے ان میں ایک نمبر کا پہلا جز کہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی صبح صادق ہوجاتی ہے۔ روئے زمین میں ایسا خطہ کہیں نہیں ہے کہ غروب کے ساتھ افق سے افق میں مجموعی اعتبار سے شدت کی سرخی ہوگی، وہ سرخی یا تو ضعف اختیار کرے گی یا مزید شدت میں ترقی کرے گی۔صورت اولیٰ میں یہ شفق احمر ہے کہ اس آفتاب کا دور ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہ وقت دائرہ یومیہ کی لیلی غربی قوس کا ہے وقت فجر کا اس سے کیا تعلق کہ فجر تو لیلی شرقی ہے۔ یہاں دیکھنے والوں کو اس اجالے سے دھوکہ ہوا جو انہوں نے نقطۂ شمال سے متصل مشرق میں دیکھا ہے لیکن اس پر غور نہیں کیا کہ اس میں جو سرخی ہے وہ تو مجموعی اعتبار سے ضعیف تر ہے تو شفق احمر یہ دال اس بات پر کہ ہے اس میں ضعف بڑھتا ہی جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک حد تک وہ پہونچ کر پھر شدت کی طرف ترقی کرے گا ضعف کا یہ تسلسل آفتاب کی غایت انحطاط تک برقرار رہے گا پھر اس کے بعد چونکہ افق سے آفتاب کا قرب بڑھے گا لہذا اس سرخی میں پھر ترقی آئے گی۔اور سپیدی کا مائل بسرخ ہونا یا سرخی کا شدت کی طرف گامزن رہنا دائرۂ یومیہ کی قوس لیلی شرقی پر دال ہے۔اس میں وقت فجر ہوگا نہ کہ وقت مغرب ہاں ایک جگہ یہ صورت صادق آسکتی ہے جہاں طلوع اور غروب آفتاب دونوں قریب قریب نقطۂ شمال میں ہوں لیکن تو پھر یہاں صبح صادق کا کیا معنی یہاں تو غروب آفتاب کے ساتھ طلوع آفتاب ہے نہ کہ طلوع صبح صادق بہرحال میری رائے میں یہ صورت کہیں صادق ہی نہیں آئے گی۔اس سوال کا دوسرا جز قرین قیاس ہے لیکن اس کا جواب بھی اسی سے ظاہر ہے کہ شفق احمر کے بعد جو سپیدی نظر آتی ہے اس میں بھی تشکیک ہے پھر اس کا استطار یا تو گھٹتا جائے گا اور بیاض میں شدت آتی جائے گی یہاں تک کہ اس کی صورت مستطیل اور بالکل سفید ہوجائے گی لیکن اس کیلئے وقت درکار ہے دومنٹ یا اس سے کم میں یہ صورت نہیں آسکتی ہے۔اس قلیل وقت کے فاصلہ پر جو یہ اجالا نظر آیا یہ مائل بسرخ ہوگا لہذا یہ سرخی اگر ضعف کی طرف مائل ہوگی تو وقت مغرب ہے اور اگر شدت کی طرف مائل ہے تو وقت فجر جبکہ ضعف اور شدت کی حد اتصال یہاں نصف النہار کی قوس لیلی ہے لہذا یہاں وقت عشاء نہیں پایا جائے گا۔اور اس کا حکم وہی ہے جو مسئلہ بلغاریہ میں ہے۔

اس مسئلہ کا وہ پہلو بھی سامنے آیا کہ نقطۂ شمال سے مشرق کو اگر متصل اس اجالے کا کچھ حصہ نظر آجائے تو اس کو طلوع صبح ماننا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے مجموعی حالات کے تغیر پر نظر رکھی جائے گی۔جب تک کہ نصف سے زائد اجالا افق بلد کی قوس شرقی پر نہیں آجاتا ہے اس کو وقت فجر نہیں کہا جائے گا۔اس کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہورہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دونوں دست نبوت کو ملا کر پھیلا دیا تھا جبکہ رخ انور مشرق کو تھا۔رخ انور سے صبح صادق کیلئے جہت افق مشرق بتایا جبکہ دستِ نبوت کو پھیلا کر شمال وجنوب کو اس کے استطار کی تعلیم فرمائی۔ان جگہوں کے مذکورہ ایام میں جب تک آفتاب غایت انحطاط میں نہیں آتا ہے تو اجالے کا اکثر حصہ نقطۂ شمال سے مغرب میں ہوگا اس کی چوڑائی اب نقطۂ شمال سے جنوب کو ضرور ہے لیکن افق شرقی پر نہیں بلکہ افق مغرب پر ہے پھر اس کو طلوع صبح کہنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔اور اگر آفتاب غایت انحطاط میں ہو تو اجالے کا استطار شرق سے غرب کو ہوگا نہ کہ شمال سے جنوب کو لہذا اس کو بھی صبح صادق نہیں کہہ سکتے ہاں نصف سے زائد نقطۂ شمال سے میں ہے مشرقی قوس پر نظر آئے تو یہ فجر کا وقت ہوگا کہ اکثریت پر یہاں حکم کل لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲) اس میں وقت عشاء ہی ہے نہیں تو اس سلسلے میں مسئلہ بلغاریہ میں حضور اعلیحضرت نے فرمایا کہ ''امام برہان کبیر نے حکم دیا کہ عشاء کی قضا پڑھیں۔اور امام بقالی وامام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما نے فرمایا ان پر سے عشا ساقط ہے۔(فتاویٰ رضویہ جلد۴ صفحہ ۶۴۶) لیکن یہاں امام برہان کبیر کے حکم پر عمل ہے تو پھر حکم قضا کا ہونا چاہئے۔

(۳) اس کا بیان (سوال نمبر۱) کے جواب میں گزر چکا ہے۔

دہشت گردانہ حملے، انکاؤنٹر، انڈین مجاہدین حقیقت یا افسانہ

تقسیم ہنداور بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو ہرمحاذ پر کمزور، ظالم، دہشت گرد، شدت پسنداور تخریب کارثابت کرنے والے افسانوں کی حقیقت بیان کرتی ایک چشم کشا تحریر

تیسری اور آخری قسط

از: مفتی محمد سلیم بریلوی مدیراعزازی ماہنامہ ھذا واستاذ منظراسلام بریلی شریف

انڈین مجاہدین۔ایک مفروضہ کہانی: ہندوستانی مسلمانوں کو ہرسطح پر کمزور وبے بس اورتباہ وبرباد کرنے کے لئےتقسیم ہند کے بعدہی سے جومنصوبہ بند سازشیں رچی گئی تھیں ان کے اثرات اب دھیرے دھیرے سامنے آتے جارہے ہیں۔مسلمان اس ملک میں مظلوم ہونے کے باوجوداب اس حالت کوپہنچ گیا ہے کہ وہ اب اپنے اوپر ہونے والے کسی بھی ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کرنے کے قابل نہ رہا۔ویسے تو مسلمان عمومی طور پراعلیٰ تعلیم سے بہت دور کر دیے گئے ہیں مگر کچھ نوجوان اپنی ہمت وحوصلہ سےاعلیٰ تعلیم حاصل کربھی رہے ہیں یا کر چکے ہیں توانہیں بھی اب برباد کرنے کا تانہ بانہ بناجاچکا ہےاور یہ کام خود ہمارے ملک کے اہم ومعتبر خفیہ ایجنسیوں پرمشتمل اداروں کی سرپرستی میں انجام دیا گیا ہے۔چنانچہ ہماری قوم کے پڑھے لکھےنوجوانوں کوبرباد کرنے ہی کے لئے۲۰۰۲ءکے گجرات فسادکے بعد ’’انڈین مجاہدین‘‘ کو’’لانچ‘‘ کیا گیا اوراس کے ذریعہ ان نوجوانوں کو بم دھماکوں اورتخریب کارانہ جرائم کے الزام میں سالہا سال کے لئے قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کر کے ان کے اوران کے خاندان کے روشن مستقبل کو بلاتفتیش اور بلاثبوت تاریکی کے عمیق غارمیں ڈھکیل دیا جاتا ہے۔جس کے خلاف نہ تو مسلمان احتجاج کر پاتے ہیں اورنہ ہی ان کے خاندان والے قانونی چارہ جوئی کے لئے آگے آنے کی ہمت جٹاتے ہیں۔اب حال یہ ہے کہ کہیں کوئی دہشت گردانہ واقعہ رونما ہوتا ہے اس کے لیے یا تو خودانڈین مجاہدین کی طرف سے ذمہ داری لے لی جاتی ہے یا پھر سیکورٹی اہلکارانڈین مجاہدین کا نام اچھال دیتے ہیں۔دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے کہ مسلم محلوں اور گھروں پر چھاپے پڑتے ہیں۔بہت مسلم نوجوانوں کو پکڑا جاتا ہے۔جن میں سے اکثر کو پوچھ گچھ کے بعد گرفتار کرکے برسوں تک جیل میں رہنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔کورٹ کی کاروائی شروع ہوتے ہوتے برسوں لگ جاتے ہیں اور جب تک فیصلہ آتا ہے اس فردکا، خاندان کا اور سماج کا سب کچھ مٹ چکا ہوتا ہے۔ان حالات میں ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہماری سیاسی و مذہبی قیادت مضبوطی کے ساتھ یہ آواز بلند کرے کہ ہندوستان میں ہونے والے دہشت گردانہ حملوں کی منصفانہ جانچ کرائی جائے اور ساتھ ہی ساتھ انڈین مجاہدین نامی تنظیم کا اگر حقیقت میں کوئی وجود ہے تو ملکی عوام کو گورمنٹی سطح پر تمام ثبوتوں کے ساتھ اسے اجاگر کیا جائے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی نقاب اٹھایا جائے کہ آخراس تنظیم کا دفتر کہاں ہے؟ بانی کون ہے؟ اوراس کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ کیوں کہ ملک میں دہشت گردانہ سرگرمیوں کی ٹھیک ڈھنگ سے جانچ اوراس کی جڑوں تک پہنچنے سے ملک کے علاوہ سب سے زیادہ فائدے میں یہاں کے مسلمان رہیں گےلیکن بی جے پی کی طرح کانگریس بھی اس طرح کی جانچ سے پہلوتہی کر رہی ہے تا کہ مسلمانوں کا اسی طرح سے استحصال جاری رہے۔

مسلمان دہشت گردانہ حملوں کا خاتمہ چاہتے ہیں: ہندوستان سے دہشت گردی کا خاتمہ ہونا چاہیے۔اس کے لیے دہشت گردی کے اسباب کی ایمانداری سے جانچ ضروری ہےاس کے پیچھے جوعوامل ہیں انہیں کیفرو کردار تک پہنچانا لازمی ہے۔مگر بی جے پی ہو یا کانگریس یا پھر ملک کی دوسری سیاسی پارٹیاں، دہشت گردی کے سلسلے میں سب کا رویہ تقریباً یکساں ہے۔کوئی ایک خط اور ایک سمت کے علاوہ دوسری جانب دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔ظاہری بات ہے کہ جب جانچ کی سمت ہرایک واقعہ میں ایک ہی ہوگی تو نتیجہ مختلف ہونے کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ ملک میں اب تک جتنے بھی چھوٹے بڑے دہشت گردانہ واقعات ہوئے ہیں ان کی جانچ جب جب آگے بڑھی ہے تو وہ تضادات کا شکار ہوگئی ہے۔نتیجے کے طور پر اکثر اوقات ایک ہی دہشت گردانہ واقعہ کے لیے دو الگ الگ اور متضاد گروپ کے لوگ ماسٹر مائنڈ کے طور پر جیلوں میں بند ہیں۔لیکن ان میں سے اکثر واقعات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ابتداء کسی سانحے کے بعد سیمی، انڈین مجاہدین، لشکر طیبہ اورانہی جیسے دوسرے ناموں سے تعلق رکھنے والوں کو گرفتار کرکے جیلوں میں ٹھونسا گیا اور بعد میں ایسے لوگوں کے نام سامنے آئے جن کا تعلق سنگھ پریوار سے تھا، اس سب کے باوجود دہشت گردی اور دہشت گردانہ واقعات کے لیے ایک مخصوص مذہب کی طرف ہی بار بار اشارہ کرنا دراصل ’’ہندتو‘‘ کے نظریات کا ہی حصہ ہے۔

اس لئے مسلمانوں کا اب یہ مطالبہ ہے کہ ان حملوں کا ہر حال میں خاتمہ ہونا ہی چاہیے کہ جن کی وجہ سے پوری مسلم قوم کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

انڈین مجاہدین سیاسی لیڈروں کی نظر میں: ابھی چند دنوں پہلے کانگریسی لیڈر اوراقلیتی امور کے مرکزی وزیر'' کے رحمٰن خان'' نے بیان دیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا احساس یہ ہے کہ ''انڈین مجاہدین'' کا کوئی وجود نہیں ہے اوران ہی کی پارٹی کے جنرل سکریٹری شکیل احمد کا بیان ہے کہ ''انڈین مجاہدین'' نامی تنظیم ۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات کے بعد وجود میں آئی۔

وزیر اقلیتی امور نے اپنے بیان کو ہندوستانی مسلمانوں کے احساس کا پرتو قرار دیا ہے جب کہ شکیل احمد نے این آئی اے (قومی تفتیشی ایجنسی) کے حوالے سے اپنا بیان دیا ہے۔ایک کا بیان ''انڈین مجاہدین'' کے فرضی ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور دوسرے کا حقیقت ہونے کا۔ان دونوں بیانات میں جو تضاد ہے اس کو کوئی بھی محسوس کر سکتا ہے اور ان بیانات کے تجزیے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ''انڈین مجاہدین'' کا وجود ہے یا نہیں؟ اس میں کون لوگ شامل ہیں اور یہ کن مقاصد کے تحت وجود میں آئی ہے یا اس کا دفتر کہاں ہے؟ اس سلسلے میں مسلمانوں کو کیا دوسروں کو بھی شاید زیادہ علم نہیں ہے۔انڈین مجاہدین کا ان سے تعارف اخبارات کے ذریعے ہوا ہے۔جب کوئی واردات ہوتی ہے تو چند ہی لمحوں کے بعد ہماری معتبر وہ خفیہ ایجنسیاں جنہیں واردات سے پہلے کچھ بھی خبر نہیں ہوتی اچانک نہ جانے ان کے ہاتھ'' علاء الدین کون سا چراغ'' لگ جاتا ہے کہ فوراً ہی سازش کرنے والے ،دھماکہ کرنے والے ،دھماکہ خیز مادہ لانے والے مسلم نوجوانوں کا مع احوال و کوائف سارا کا سارا بایوڈاٹا ان پر منکشف ہو جاتا ہے؟ چند ہی لمحوں بعد میڈیا بھی پوری طرح حرکت میں آجاتا ہے اور اس واردات کو یقینی انداز میں انڈین مجاہدین اور مسلم نوجوانوں کا کارنامہ بتایا جانے لگتا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ خود ہمارے ملک کا بھی زبردست نقصان ہوتا ہے کیونکہ ان مفروضوں کی وجہ سے ایک تو تفتیش متاثر ہوتی ہے اور دوسرے اصل مجرموں کے چہروں پر نقاب پڑا رہتا ہے۔اس سلسلہ میں ہمارے ملک کے کچھ اہم افراد نے پولیس،اے ٹی ایس حتیٰ کہ آئی بی (IB) کے رول پر بھی سوال اٹھائے ہیں اور سوال اٹھانے والے یہ معمولی لوگ نہیں ہیں چنانچہ مہاراشٹر کے سابق ڈی جی پی ''ایس ایم مشرف'' نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ آر ایس ایس جیسی تنظیموں کے ساتھ خود آئی بی بھی اس ملک کی سب سے بڑی دہشت گرد ہے جو مسلم نوجوانوں کو گرفتار کر کے مسلم سماج میں دہشت گردی پھیلا رہی ہے۔

البتہ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بیروزگاری میں مبتلا یا ظلم وستم اور ناانصافی کے شکار نوجوانوں کے آپے سے باہر ہوجانے کا امکان بہرحال موجود ہے۔ان کے کسی تخریب پسند ملک یا فسطائی طاقت کا آلۂ کار بن جانے کے امکان سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔دال میں نمک سے بھی کم مقدار میں سہی مسلمانوں میں احمق ٹولے کم نہیں ہیں جو عجیب وغریب نعرے لگا کر غلط فہمیاں پھیلاتے رہے ہیں۔گجرات میں نسل کشی کے بعد ممکن ہے انہیں میں سے کچھ نے قانون ہاتھ میں لینے کی کوشش کی ہو۔مگر قرائن اس بات ہی کو ثابت کرتے ہیں کہ ایسے نوجوانوں کو خود ہمارے اہم ملکی اداروں نے اپنا آلۂ کار بنا رکھا ہے۔

اس پس منظر میں این آئی اے کی فرد جرم کی بنیاد پر شکیل احمد کی کہی ہوئی بات میں وزن تو ہے مگر اس بات کا تعلق ہنگامی حالات اور ایک خاص ذہنیت سے ہے عام حالات میں وہی بات سچ ہے جو رحمٰن خان نے کہی ہے یعنی یہ کہ انڈین مجاہدین کو ہندوستانی مسلمان ایک فرضی کہانی سمجھتے ہیں جس کا پلاٹ ہمارے ملک کی اہم خفیہ ایجنسیوں نے تیار کیا ہے کیونکہ مسلمان اس قسم کی کسی تنظیم کے وجود کو پسند بھی نہیں کرتے۔دہشت گردی چاہے وہ کسی شکل میں ہو ملک کے لئے ناسور ہے اور اس کی بیخ کنی کے لئے سب کو مل جل کر کوشش کرنی چاہیے مگر ہوتا یہ ہے کہ سیاست داں تو سیاست داں خود عام لوگ بھی ذاتی تعصّبات اور ذہنی تحفظات سے اوپر اٹھ کر سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔اسی لئے دہشت گردوں کا نام آتے ہی بی جے پی جیسی جماعتیں ہی نہیں دوسرے لوگ بھی بلکہ ہمارے ملک کے قانونی ڈھانچے کی حفاظت کرنے والے وکلا بھی اب ایسے بیانات دینے لگتے ہیں کہ جن سے پوری ملت پر حرف آتا ہے اور اکثریت کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے ساتھ اشتعال پیدا ہوتا ہے۔تعصب کی انتہا تو یہ ہے کہ بلاتفتیش اور بلاثبوت جن مسلم نوجوانوں کو انڈین مجاہدین جیسی فرضی تنظیموں کے نام فرضی طور پر گرفتار کیا جاتا ہے تو اب وکیلوں کی تنظیمیں ان کا کیس لڑنے سے خود بھی انکار کرتی ہیں اور کیس لڑنے والے وکیلوں کو ڈرانے دھمکانے کے ساتھ ان کا بائیکاٹ کرنے کی دھمکی دیتی ہیں۔حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی وکیل مقدمہ کی پیروی کرنے بھی لگے تو اس پر قانون کے یہ محافظ جنگل راج کی سراپا تصویر بن کر غنڈوں کی طرح جان لیوا حملے بھی کرتے ہیں۔اس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت اس ملک میں مسلمان کتنے نازک دور سے گزر رہا ہے۔مگر افسوس نہ تو اس سلسلہ میں ہماری مذہبی قیادت سنجیدہ نظر آرہی ہے اور نہ ہی سیاسی قیادت کوئی موثر اقدام کرتی نظر آرہی ہے۔خدارا! ہوش کے ناخن لیجئے! اگر ابھی بھی ہم نے اپنی مذہبی وسیاسی قیادت کا محاسبہ نہ کیا تو وہ دن دور نہیں کہ جب اس ملک کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ کر دی جائے گی اور ان کا ناطقہ بھی بند کر دیا جائیگا۔مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کی عزت وآبرو،ایمان وعمل اور ان کے جان ومال کی حفاظت فرمائے۔

فیضانِ عقیدت

از: شہیر رضوی کھیروی سید واڑہ کھیری لکھیم پور

مذہب کے پاسبان امام حسین ہیں
ملت کے نگہبان امام حسین ہیں
نانا رسول، باپ علی، ماں ہیں فاطمہ
عظمت کے اک جہان امام حسین ہیں
قلب و جگر، دماغ و تخیل، فرازِ عقل
حتیٰ کہ میری جان امام حسین ہیں
ہم عاشقوں کے قلب کی تشنہ زمین پر
رحمت کے آسمان امام حسین ہیں
دنیا کی دولتوں پہ کروں انحصار کیوں
میری تو آن بان امام حسین ہیں
کرتا نہیں ہے کوئی عنایت تو کیا ہوا
مجھ پرتو مہربان امام حسین ہیں
چھ ماہ، اٹھارہ سال کے بچے بھی دین پر
جس نے کئے ہیں دان امام حسین ہیں
کچھ بھی نہیں ہے خوف تمازت کا اے شہیر
محشر میں سائبان امام حسین ہیں

تضمین بر کلام سرکار مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں نوری علیہ الرحمۃ

از: مولانا پھول محمد نعمت رضوی

تو رب کی عنایت ہے، ہر ذرہ ترا دیوانہ
تو زندہ حقیقت ہے ہرگز نہیں افسانہ
تو نورِ ہدایت ہے دنیا نے اسے مانا
تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

شاخوں سے تری آقا دانش کے گلاب اٹھے
اور فکر کے گردوں پر خوشبو کے سحاب اٹھے
میں دیکھ سکوں ان کو آنکھوں سے حجاب اٹھے
جو ساقیٔ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

کچھ ایسی محبت ہو مجھکو بھی شریعت سے
میں بچ کے رہوں ہر دم پھیلی ہوئی بدعت سے
وہ مجھکو نوازیں گے اعزاز کی خلعت سے
دل اپنا چمک اٹھے ایمان کی طلعت سے
کر آنکھیں بھی نورانی اے جلوۂ جانا نہ

ہے تشنگی ہونٹوں پر سرکار مرے کب سے
اک جامِ مئے عرفاں لگ جائے مرے لب سے
پیمانۂ عرفان مل جائے مجھے ڈھب سے
سرشار مجھے کردے اک جامِ لبالب سے
تاحشر رہے ساقی آباد یہ میخانہ

یوں دور مدینے سے آقا میں رہوں کیسے
یہ ہجر کا صدمہ تو مشکل ہے سہوں کیسے
سرکار میں اب دل کو قابو میں رکھوں کیسے
میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے
ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولیٰ ترا کا شانہ

اس نفس کے کہنے پر ہم کان نہ دھرتے کچھ
اعمال کے دفتر میں ہم نیکیاں جڑتے کچھ
ہوتی جو نگہ ان کی تو ہم بھی سنورتے کچھ
وہ کہتے نہ کہتے کچھ وہ کرتے نہ کرتے کچھ
اے کاش وہ سن لیتے مجھ سے مرا افسانہ

کیوں نعمتؔ خستہ کو روضے سے رہے دوری
روکے ہوئے مجھکو ہے اب تک میری مجبوری
آجاؤں گا پاتے ہی میں آپ کی منظوری
سرکار کے جلوؤں سے روشن ہے دل نوریؔ
تاحشر رہے روشن نوری کا یہ کاشانہ

مراسلات

ادارہ

خواجہ صاحب۔صاحب علم واخلاق

سن ۱۹۸۲ سے قبل کسی موقعہ پر میں نے خواجہ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کا ہشاش بشاش، چمکتا ہوا اور جاذب قلب ونظر چہرہ دیکھا تھا، وہ جھلک آج بھی میرے ذہن ودل میں محفوظ ہے۔ابھی تقریبا دوسال قبل پیر طریقت حضرت مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب قبلہ اور حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب (بلگام) کی رفاقت میں بہار اور یوپی کا دورہ ہوا اس موقعہ پر کچھوچھہ شریف سے لکھنوء جاتے ہوئے حضرت خواجہ صاحب قبلہ سے شرف ملاقات وکسب فیض کی غرض سے انکے دارالعلوم میں جانے کا حسن اتفاق میسر آیا۔اللہ اکبر بالکل پہلی ملاقات تھی مگر ایسا لگتا تھا کہ قبلہ خواجہ صاحب مجھے برسوں سے جانتے پہچانتے ہیں، نہایت مخلصانہ ومشفقانہ انداز تکلم اور پرتکلف وپروقار وضع قطع پھر بھی مجھے وہ نہایت بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔بستر علالت پر ہوتے ہوئے بھی ہم مہمانوں کی مہمان نوازی میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی، شائستہ گفتگو بھی فرمارہے ہیں، ادھر اپنے شاگردوں کو ہماری مکمل خاطر تواضع کا حکم بھی دے رہے ہیں اور کبھی خود ہی اپنی نشستگاہ سے اٹھکر ہمارے دسترخوان کی طرف لپکتے ہوئے ہمیں خورد ونوش کی گذارش بھی کررہے ہیں۔واہ بھائی! یہ تو خواجہء علم وفن ہی نہیں بلکہ خواجہء حسن اخلاق بھی ہیں، سچ ہے

کردار سے بنایئے معیار زندگی
ماحول سے حیات کا سودا نہ کیجئے

ہبلی واپسی کے بعد دوبار میں نے ان سے ٹیلیفون پر بات کی علیک سلیک کے بعد مجھ کم علم وبے عمل کو انہوں نے فرمایئے قاضی ملت! کہکر مخاطب کیا اور انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ گفتگو کی۔اور آپکو یہ جانکر بڑی حیرت ہوگی کہ کہاں وہ کوہ علم وفن؟ اور کہاں میں ذرہء بے وقعت وبے وزن؟ مگر وہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ آپ میرے لئے دعا فرمایئے۔سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے،

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پر سوز۔
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

اے کاش! یہی بات، یہی اخلاق اور یہی سوچ جماعت اہلسنت کے ہر نمائندہ اور ہر ترجمان میں پیدا ہوجائے تو آج بھی عوام وخواص ہمارے قریب آسکتے ہیں۔مگر افسوس

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مولانا علی قاضی، جمالی، ایم اے (ہبلی) خطیب مسجد منورہ بنگلور

اماموں کو گورنمنٹی وظیفہ دئے جانے کی شرعی حیثیت

بنگال کی وزیر اعلیٰ نے اپریل ۲۰۱۲ء کو اعلان کیا کہ جو مساجد سنی وقف بورڈ میں مندرج ہیں ان کے اماموں کو بطور وظیفہ وقف بورڈ کی طرف سے ماہانہ ڈھائی ہزار روپئے دیئے جائیں گے اس سلسلے میں مفتی محمد خالد صاحب نے حکم شرعی بتاتے ہوئے یہ وضاحت کی کہ ''ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ ہے جس میں انہوں نے ملک کی تعمیر وترقی کیلیئے بھی وہ سب کچھ کیا جو انہیں کرنا چاہیئے تھا تو مساجد مدارس، مزارات ومقابر اور خانقاہ ودیگر رفاہی کاموں کیلیئے بھی لاکھوں کروور کی جائدادیں وقف کیں۔مگر انقلابات زمانہ سے ملک پر غلامی کا تسلط ہوکر آزادی آئی تو اپنے ساتھ ہزار طرح کی خونچکاں داستانیں بھی لے آئی۔مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جانیں تو قربان ہوئیں ہیں، بہت سے اوقاف بھی محفوظ نہیں رہے۔جو جائیدادیں حکومت کے محکمۂ اوقاف میں رجسٹرڈ تھیں، ہزار دقتوں کے بعد کچھ واگزار ہوئیں اور کچھ وقت کی منتظر ہیں۔جو جائیدادیں محکمہ اوقاف میں مندرج نہیں تھیں ان میں بیشتر کا تو نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔محکمۂ اوقاف میں ہماری ہی وقف کردہ جائدادوں کے اربوں ارب روپئے جمع ہیں، اب اگر بنگال کی حکومت کا محکمۂ اوقاف ان جمع شدہ روپئے سے کچھ اماموں اور موذنوں کو وظیفہ دیتا ہے تو حق بہ حق دار رسید کے ایک معمولی حصہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔اس لئے مسجدوں کو محکمۂ اوقاف میں درج کرانے اور اس سے وظیفہ لینے میں کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔دونوں افیڈیوٹس ملاحظہ میں آئے۔ایک میں متولی کی طرف سے مسجد کو گفٹ دیا جانا لکھا ہے اور دوسرے میں نہیں۔جس سے واضح ہے کہ یہ ایفی ڈیوٹس اس کیلیئے ضروری نہیں ہے۔

محض بعض وکیلوں کی جہالت ہے پھر بھی اس لکھ دینے سے مسجد کی مسجدیت پر کوئی حرف نہیں آتا''

مرکزی دار الافتاء کے مفتی محمد کوثر علی رضوی نے فرمایا کہ'' موجودہ حکومت بنگال بنام وظیفہ ائمہ کرام کو جو رقم دے رہی ہے وہ برضا ورغبت دے رہی ہے اس کا لینا جائز و درست ہے اس رقم کو ہر جائز کام میں صرف کر سکتے ہیں بشرطیکہ فی الحال یا آئندہ کوئی دینی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو خصوصاً جبکہ یہ رقم حکومت اوقاف مسلمین سے دے رہی ہے تو اس کے جواز میں کیا شبہ ہے''۔

پیش کش: محمد کبد علی رضوی ساکن انۃ کوٹا کرشنہ باٹی ہمت آباد اتر دیناجپور

انتقال پر ملال

شہزادۂ سید العلماء پیر طریقت رہبر شریعت استاذ الشعراء حضرت سید آل رسول محمد حسنین عرف نظمی میاں مارہروی علیہ الرحمہ کا مورخہ ۲ر محرم ۱۴۳۵ھ ۷ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ ممبئی میں انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔مورخہ ۸ر نومبر بروز جمعرات بعد نماز ظہر تقریباً ڈھائی بجے قبہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں حضرت کی تدفین عمل میں آئی (محمد سلیم بریلوی)

رضا جنتری

بریلی شریف سے شائع ہونے والی رضا جنتری ۲۰۱۴ء اپنی بے مثال رعنائیوں کے ساتھ چھپ کر منظر عام پر آگئی ہے جو ہر ماہ کی تاریخ کے علاوہ مناجات ،نعت ومنقبت ،سلام ،خطبۂ جمعہ و نکاح ،عقیقہ وقربانی اور جنازے وغیرہ کی دعائیں نیز نماز پنجگانہ کے اوقات، بچوں کے اسلامی تاریخی نام، مذہبی دینی تاریخی معلومات اور ساتھ ہی ساتھ صحابۂ کرام ، بزرگان دین کی تاریخ ولادت ورحلت سے مزین ہے۔جس کے مرتب حضرت مولانا محمد انور علی رضوی استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہیں۔ہدیہ:۵ر روپئے نوٹ: تاجروں کو خصوصی رعایت دی جاتی ہے ملنے کا پتہ مکتبہ المصطفیٰ اسلامیہ مارکیٹ نومحلہ مسجد بریلی شریف۔ پن243003 موبائل نمبر09219869490

مشاہدۂ برکات رسول

پیش کش:(مفتی) محمد انوار الحق بریلوی مصطفوی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند

فقیر مصطفوی بفضلہ تعالیٰ و بکرم رسولہ الاعلیٰ علیہ التحیۃ و الثنا رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۷ میں مریدوں اور وفادار مخلص حاجی مقصود رضوی دہلوی کے ہم راہ عمرے کی سعادت سے مشرف ہوا، مکہ مکرمہ میں مقام تنعیم وجعرانہ شریف جامع مسجد جہاں غزوۂ حنین کے شہداء آرام فرما ہیں اور اسی سے متصل وہ کنواں ہے کہ حضور نور مجسم ﷺ نے جس میں کلی فرمائی تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا تھا۔جس کی طرف اعلیٰ حضرت نے یوں اشارہ فرمایا۔

جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے
اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

مدینہ منورہ کے دوران قیام وہاں کی زیارتوں کے بعد روضۂ رسول اللہ ﷺ سے متصل مسجد نبوی شریف میں بخاری شریف تلاوت کا معمول بنالیا جو روزہ افطار تک چلتا روزہ نجدی وقت افطار سے دو منٹ بعد کھولتا پھر بارگاہ رسول ﷺ میں مغرب سے فارغ ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے حاضر ہوتا مواجہہ اقدس سے ہٹنے کا دل نہیں چاہتا چار و نا چار اذان عشاء سے قبل اپنی قیام گاہ ہوٹل پہنچکر ساتھیوں کو تراویح پڑھاتا، تاخیر ہو جانے پر حاجیوں نے شکوہ کیا حضرت جلد آیا کریں تراویح پڑھ کر جلد سوئیں پھر سحری میں اٹھنا ہوتا ہے بار بار اصرار پر ایک روز سرکار میں صلوٰۃ و سلام مغرب بعد پیش کرنے سے تراویح پڑھانے کی عجلت میں قاصر رہا صبح پھر لائبریری میں بیٹھکر بخاری شریف پڑھنے میں مشغول ہو گیا کہ اسی درمیان نیند کا غلبہ ہوا نصیبہ بیدار ہوا زیارت رسول سے مشرف ہوا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو فقط بخاری شریف پڑھنے آیا ہے کل میرے پاس آیا ہی نہیں، یقین جانئے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اشکبار ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام معاف فرمائیں سرکار اب آئندہ ایسی غلطی نہ ہو گی پھر عید بعد تک مدینہ منورہ حاضری رہی پابندی کی ساتھ دربار پر انوار میں شرف یابی رہی، اسی دن شام کو افطار بعد جب مواجہہ اقدس میں حاضر ہوا تو اس قدر نور ورحمت کی بارش ہوئی اور حضور ﷺ نے اتنا کرم فرمایا جو بیان سے باہر ہے میں نے محسوس کیا کہ غلامان اعلیٰ حضرت پر سرکار بہت مہربان ہیں

ہماری ڈاک

ادارہ

لائق صد احترام پیر طریقت رہبر شریعت نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادۂ حضور ریحان ملت حضرت علامہ سبحان رضا خاں صاحب قبلہ مدیر اعلیٰ ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت''   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے فضل و کرم سے بعافیت ہوں گے پہلی بار آپ کی بزم ''بزم اعلیٰ حضرت'' میں شرکت کر رہا ہوں زمانہ طالب علمی 2008 سے ہی ماہنامہ اعلیٰ حضرت ''علیمی لائبریری جمدا شاہی'' سے حاصل کر کے پڑھتا رہتا تھا۔ 2011 میں دار العلوم علیمیہ سے تعلیم مکمل کی بعدہ مستقل کہیں نہ رہنے سے مطالعہ موقوف رہا لیکن ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' پڑھنے کی کچھ ایسی عادت تھی کہ جتنے دن رسالہ دستیاب نہ ہوسکا اتنے دن تک اپنے معمولات میں ایک کمی سی محسوس ہوتی رہی۔ پر اللہ کا شکر ہے کہ راقم کو ایک مستقل جگہ رہنے کا موقع فراہم ہوا ساتھ ہی صوبہ مہاراشٹر یہ ضلع اکولہ میں نوری کتب خانہ سے مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کا کلینڈر ملا بس کیا تھا فوراً پتہ نکالا اور اسی ہفتے میں رسالے کا زر سالانہ منی آرڈر کر دیا اب بار بار یہ سوچ لگی تھی کہ رسالہ آئے گا کہ نہیں کیونکہ مدیر اعلیٰ سے رابطہ ہو نہیں پایا تھا۔ مگر نصیب اس وقت چمک اٹھا جب ۴؍ اکتوبر ۲۰۱۳ بروز جمعہ مبارکہ صبح ۱۰ بجے ڈاکیہ میرے کمرے میں ایک میگزین ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' رکھ کر جا رہا تھا مصروفیات چھوڑ کر ہاتھوں میں لیا مشاہدہ کیا تو دل باغ باغ ہو گیا کہ جسے پانے کی فکر تھی وہ ہاتھوں میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں رسالے کو ہمیشہ ہمیش جاری وساری رکھے اور نظر بد سے بچائے۔ سگ رضا محمد زاہد علی قادری علیمی خطیب و امام رضا جامع مسجد مجلّا پور داپورہ ضلع اکولہ مہاراشٹر ارابطہ 9657867063

پیر طریقت رہبر راہِ شریعت حضرت علام مولانا الحاج الشاہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی   سلام ورحمت!

خیریت طرفین نیک مطلوب، ماہ بماہ پابندیٔ اوقات اور پوری آب وتاب کے ساتھ ماہنامہ اعلیٰ حضرت جلوہ گر ہو رہا ہے آخر کار آپ کی اور صاحبزادہ حضرت مولانا احسن رضا صاحب و رفقائے ادارہ کی محنتوں اور خصوصی توجہات کی وجہ سے ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی اشاعت کو Adwanced Month Every کر ہی لیا گیا مبارک باد قبول فرمائیں بڑی خوشی ہوئی اللہ اس تسلسل کو برقرار رکھے۔ آمین

ہاں یہ سچ ہے کہ یہ واحد رسالہ ہے جسے ۱۹۶۰ میں حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے جاری فرمایا، جو کاغذ کی آسمان چھوتی قیمتوں اور گراں قدر طباعتی اخراجات کے باوجود حضور صاحب سجادہ کی کامیاب ادارت میں پوری پابندی کے ساتھ مسلسل قوم و ملت اور عاشقان اعلیٰ حضرت کے ذوق مطالعہ کو سامان تسکین کر رہا ہے۔ تو کیا ہم قارئین کی اتنی بھی ذمہ داری نہیں کہ کم از کم وہ رقم جو ہم پر واجب الادا ہے فوراً بھیج دیں اور ایک مسلک وملت کے ایک اچھے رسالے کو غذا فراہم کریں اللہ ہر محبِّ اردو اور دینی رسائل و جرائد کے خریداروں کو رسالہ خرید کر پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے درمیان سے یہ بے حسی دور فرمائے۔ لامرکزیت کا خاتمہ وقت کی اہم ضرورت سنیوں کیلئے ایک مضبوط و مستحکم مرکز کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتی حضور ریحان ملت علیہ الرحمہ کی تحریر نے خوب خوب محظوظ کیا اور بہت ہی بڑا سبق دے گیا۔ گلدستۂ احادیث کے تحت آپ نے قرض وسود سے متعلق بڑی ہی علمی اور معلوماتی باتیں پیش فرمائی ہیں جو بغور پڑھے جانے اور سبق حاصل کئے جانے کے لائق ہیں، فتاویٰ منظر اسلام کے تحت جو حضرت مولانا احسن رضا صاحب نے ترتیب وتخریج نعلین پاک کے متعلق پیش فرمائیں ہیں وہ بھی باعثِ برکت ہے۔ معارف الحدیث کے تحت حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تحریر اور اذان ثانی اور اکابر مارہرہ مقدسہ پیش فرما کر ہم جیسے نئے قاریوں پر آپ نے احسان عظیم فرمایا ہے۔ حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی صاحب نے بڑی بے باکانہ گفتگو حقیقت یا افسانہ کی شکل میں پیش فرمائی ہے۔ وہ جیسے بے باک ہیں ویسے ہی دکھتے بھی ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ ملک العلماء باغ رضا کے گل رعنا کے لکھنے والے ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری اور امام احمد رضا سب کے امام احمد رضا لکھنے والے حضرت مولانا نازاں گیاوی کو اللہ تعالیٰ دیر تک سلامت رکھے حضرت مفتی امین قادری صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی ہم لوگوں کیلئے مشعل راہ ہے اللہ انہیں غریق رحمت کرے بقیہ اور بھی مضامین مفید اور کارآمد ہیں خط لمبا ہو گیا معذرت ہے آئندہ کم سے کم لکھنے کی کوشش کروں گا۔

فقط پھول محمد نعمت رضوی خادم تبلیغ کنز العلوم بنکل چھپرہ میگھ سیلوت مظفر پور

جامعہ رضویہ منظر اسلام

یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام کا تعلیمی معیار صرف قابل ستائش ہی نہیں بلکہ مدارس دینیہ کے لیے قابل اتباع بھی ہے۔ تعلیمی ماحول، نظم ونسق، نظام تدریس، خورد ونوش کا اعلیٰ اہتمام، طلبہ کی تعلیم وتربیتی روداد ترقی کا انٹرنیٹ پر انتظام اور جامعہ کا تربیتی نظام ہر آنے والے مہمان، مدرس اور اہل علم وفن کو تعریف وستائش کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ سب میرے والد گرامی حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی مساعی جمیلہ اور توجہ خصوصی کا نتیجہ ہے۔اب تک جو علماء زیارت کے لیے آئے یا جنہوں نے انٹرنیٹ پر جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں ملاحظہ فرمائیں ان تمام حضرات نے والد محترم کی خدمات جلیلہ کو خراج عقیدت پیش کیا۔اور اس جدید تعلیمی نظم ونسق پر خوشیوں کا اظہار بھی کیا۔منظر اسلام نے ہر دور میں اپنا فیضان عام وتام رکھا ہے۔آج بھی نہایت عمدگی کے ساتھ اعلیٰ پیانے پر تشنگان علوم و فنون کو جامعہ علم وعرفان سے سرشار کر رہا ہے۔اہل عقیدت سے گزارش ہے کہ بڑھتے ہوئے اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر امدادی موقع پر دست تعاون بڑھائیں اور جامعہ کی تعلیم وترقی اور اس کی بقا میں حضور صاحب سجادہ کا ساتھ دیں۔

(فقیر قادری محمد احسن رضا، نائب سجادہ درگاہ اعلیٰ حضرت وکل ہند صدر تحریک تحفظ سنیت)

اہل سنت کے نام حضور صاحب سجادہ کا

ایک اہم پیغام

یوں تو ہر زمانہ میں اسلامی سال کے پہلے مہینے کے پہلے عشرہ کو بہت سی خصوصیات حاصل رہی ہیں لیکن شہزادۂ بتول اور نواسۂ رسول کی شہادت کے عظیم سانحہ نے تاریخ اسلام میں ۱۰ رمحرم الحرام سے اہل اسلام کے جذباتی رشتہ قائم کر کے اسے خاص مقام اور خاص شہرت عطا کر دی ۔امت مسلمہ کے اسی جذباتی رشتہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مفسدین نے ’’یوم عاشورہ‘‘ اور ’’محبت حسین‘‘ کے نام پر ایسی ایسی بدعات و خرافات ایجاد کر لیں کہ جن کی شریعت مطہرہ تو کیا کسی بھی مہذب قوم کے دستور میں کوئی جگہ نہیں ۔حالانکہ اس مبارک دن میں تو امام عالی مقام ،بتولی شہزادگان اور دیگر شہیدان کربلا کے نام پر ایصال ثواب کی محفلوں کا انعقاد ،قرآن خوانی کا اہتمام ،غریبوں ،مسکینوں کی امداد کا سامان اور روزہ رکھنے کے ذوق وشوق کا اظہار ہونا چاہئے تھا لیکن اس کے برخلاف آج بدعات وخرافات کے دلدادہ کچھ ضدی وہٹ دھرم لوگ اس مبارک دن میں امام حسین کے روضۂ مبارکہ کا فرضی نقشہ بنا کر گلی گلی گھمانے ،مقابلہ آرائی کرنے ،ماتم وسینہ کوبی کرنے ،ڈھول تاشے بجانے ،کھانے کی چیزوں کو لٹا کر رزق کی بے حرمتی کرنے ،میلے لگانے ،مرد وعورت کے اختلاط کا سامان فراہم کرنے اور مصنوعی کربلائیں بنانے جیسی بدعات وخرافات کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں ۔یاد رکھئے ! مروجہ تعزیہ داری کی نہ تو شریعت مطہرہ میں کوئی جگہ ہے اور نہ ہی یہ محبت حسین کی علامت ہے بلکہ یہ تو یزیدیوں کے ظلم وستم کے واقعات کی نقالی ہے ۔مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ان بدعات وخرافات سے محفوظ رکھے اور ’’یوم عاشورہ‘‘ کو شرعی ضابطوں نیز محبت حسین کے جذبۂ صادقہ سے سرشار ہو کر منانے کی توفیق عطا فرمائے ۔آمین ! بجاه النبی الکریم علیه افضل الصلوات و التسلیم ۔

نوٹ: ۱۰ رمحرم الحرام کو شہیدان کربلا کی یاد میں ایصال ثواب اور ۱۴ رمحرم الحرام کو سرکار مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی یاد میں ’’عرس نوری‘‘ کی نوری محفلوں کا انعقاد فرمائیں ۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ رضا نگر سوداگران بریلی شریف

چیک یا ڈرافٹ بنام

Mohammad Subhan Raza Khan

ICICI Bank 116 Civil lines Bareilly (U,P)

A/c.No:019201501797

Madarsa Manzar-e-Islam

(A/c.No:0043000100238962 Punjab National Bank,Bareilly)

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. No. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P./BR-175/12-14
20/- Dec. 2013
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)

افریقی ہاسٹل کا خوشنما منظر

دعوت خیر

طالبان علوم نبویہ کے قیام وطعام، منظر اسلام کے تمام شعبوں کے عروج وارتقا، دارالافتا کے عمدہ واحسن انتظام، لائبریریوں کی آرائش وزیبائش، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی مسلسل اشاعت، رضا مسجد کی زیب وزینت، خانقاہ رضویہ کی تب وتاب اور عرس رضوی کے وسیع انتظامات میں دل کھول کر حصہ لیں۔

United Printers Bareilly # 9319623803, 9548639384